نمک کی کان

اور

دیوتا اِندر

المعروف

ہندوستان پر حکومتِ برطانیہ کا خاکہ

مصنفہٴ
بابو موہن لعل (بھٹناگر) بی اے ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ

جسکو
لالہ سندر داس مکتبر نواسی نے شائع کرایا
دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء

(ملنے کا پتہ :- دفتر اخبار بندے ماترم و کتب فروشان لوہاری دروازہ لاہور) قیمت ۸/

فہرست مضامین

1466

طبیعت کس طرح بیمار نہ ہو کسی کی ہو بھلا اچھی۔ نہ طبیب ہی اچھا ملتا ہے نہ ملتی ہے دوا اچھی

نمک کی کان

اور

دیوتا اِندر

المعروف

ہندوستان پر حکومتِ برطانیہ کا خاکہ

مصنفۂ

بابو موہن لعل (بھٹناگر) بی اے ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ

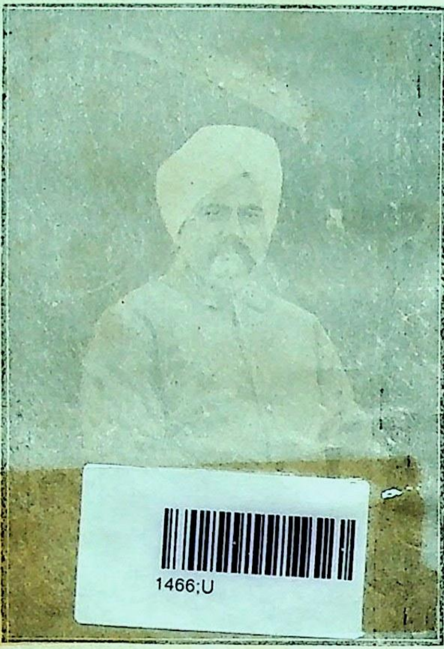
جسکو

لالہ سندر داس مکتسر نواسی نے شائع کرایا

دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء

اوّل (ملنے کا پتہ :- دفتر اخبار بندے ماترم و کتب فروشان لوہاری دروازہ لاہور) قیمت ۸/

فہرست مضامین



MOHAN LAL (BHATNAGAR),
B.A., LL. B.,
Vakil High Court.
November 1921.

نمک کی کان

فارسی میں کہاوت ہے "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" ترجمہ "جو چیز نمک کی کان میں گئی نمک ہی بن گئی" اس کا عمل اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جو چیز نمک سے ملتی ہے۔ وہ پہلے گلنی شروع ہو جاتی ہے۔ جب وہ اپنی ہستی اور خصوصیت معدوم کر چکتی ہے تو نمک کے اجزا اس میں سرایت کرنے لگتے ہیں۔ حتی کہ وہ بالکل نمک ہی بن جاتی ہے۔ اس کہاوت اور عمل کی صداقت کی شہادت یا تو سائنسدان نمک کی کان میں کام کرنے والے بھی دے سکتے ہیں۔ ہم تو اپنے باپ دادا سے اس کہاوت کو سنتے آئے ہیں۔ اور سعادتمند بیٹوں کی طرح اپنے بزرگوں کے قول پر یقین رکھتے ہیں۔ مگر جب ہم یہی عمل اور خاصیت اور جگہوں میں بھی پاتے ہیں تو نمک کی خاصیت کے متعلق ہمارا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ اس کا زندہ نمونہ دیکھنا ہو۔ تو ہندوستان میں نوکر شاہی کو دیکھو۔ ہندوستان کا انگریزی طرز حکومت جس کو ہم نوکر شاہی کی کان کہہ سکتے ہیں۔ ہو بہو نمک کی خاصیت رکھتا ہے۔ اور اسی طرح سے عمل کرتا ہے۔ اس کے اثر سے نہ تو دیش بھگت ہندوستانی اور نہ آزاد خیال انگریز بچا۔ واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور زمانہ اس کی شہادت دیتا ہے:

۱۔ سر مائیکل اوڈوائر کی ظالمانہ اور جابرانہ حکومت کسے واقف نہیں جو پکار ہوئی۔ خدا خدا کر کے اس کا عہد حکومت ختم ہوا۔ سر ایڈورڈ میکلیگن

عنان حکومت پنجاب سنبھالی۔ رعایا نے سمجھا کہ تمام تکالیف رفع ہو جائیں گی
مہینہ گزرا۔ دو مہینے گذرے۔ چار گزرے۔ مگر کوئی قابل قدر فرق نظر نہ آیا۔
شہر دھالو طبیعتوں نے کہنا شروع کیا کہ سر ایڈورڈ میکلیگن بے بس ہیں۔
ایک طرف ان کو مسٹر ٹامسن جیسے ماتحت اور دوسری طرف لارڈ چیمسفورڈ
جیسے افسر ملے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ان کا نیک اثر زائل ہو رہا ہے
دن جاتے دیر نہیں لگتی۔ لارڈ چیمسفورڈ تشریف لے گئے۔ اور مسٹر ٹامسن
بھی چلتے بنے۔ مگر پنجاب کا انتظام ویسے کا ویسا ہے۔ نوکر شاہی کا اثر سرایت
کر چکا ہے۔ اور سر ایڈورڈ میکلیگن کی رحمدلی اپنی ہستی کھو بیٹھی ہے۔

۲۔ لارڈ چیمسفورڈ کے خلاف کانگرس کی تحقیقاتی کمیٹی۔ پریس اور
پلیٹ فارم سے پکار اٹھی کہ ان میں دانائی۔ دور اندیشی اور حکمت عملی کی
کمی ہے۔ رعایا کے احساسات سمجھنے کی قابلیت ہی نہیں۔ وہ ناکامیاب
وائسرائے ہیں۔ ان کو واپس بلایا جائے۔ ان کی میعاد عہدہ گنی جانے لگی۔
ادھر سے ان کے جانشین لارڈ ریڈنگ تجویز ہوئے۔ ہندوستانیوں کو بتلایا
گیا کہ ان کے لئے وائسرائے انگلستان کے چیف جسٹس چنے گئے ہیں۔
انہوں نے تمام عمر عدالت کی ہے۔ دائیں اور بائیں ہاتھ سے انصاف کی
برشا کرتے رہے ہیں۔ انصاف۔ انصاف۔ مساوات۔ مساوات کی دہائی
پھر جائے گی۔ وہ قانون کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ انصاف اور مساوات ان کے
خاص جوہر ہیں۔ ہندوستانیوں کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوئی ہیں۔ ان سب
کی تلافی ہو جائے گی۔ انگریز اور ہندوستانی کی تمیز جاتی رہے گی۔ لارڈ ریڈنگ
نے بھی اپنی مختلف تقریروں میں یہی اعلان کیا کہ وہ انصاف کریں گے۔ انگریز
اور ہندوستانی کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہوگا۔ مہاتما گاندھی سے وائسرائے کی
ملاقات ہوئی۔ رعایا سمجھی۔ ہندوستان کے دن پھرے۔ مہاتما گاندھی جیسا قوم
پرست جب لارڈ ریڈنگ جیسے انصاف پرست کے روبرو ہندوستانی نقطہ خیال

پیش کرے تو کسر کیا رہی۔ دو مبارک ستاروں کا میلن ہوا ہے۔ اب نوکر شاہی کو نیچا دیکھنا پڑے گا۔ انہی دنوں خبر آئی کہ وایسرائے پولیٹیکل قیدیوں کی مثلیں دیکھ رہے ہیں۔ اس کو نیک فال سمجھا گیا۔ ر۔ٔ؛ کا دل خوش کن امیدوں سے بھر گیا۔ پیشین گوئیاں ہونے لگیں کہ پولیٹیکل قیدی چھوٹیں گے۔ پبلک کے حقوق کی حفاظت ہوگی۔ انصاف ہوگا۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں کی تمیز دور ہو جائیگی مگر واہ ری بیوروکریسی تو اپنے اثر میں نمک سے کہیں زیادہ ہے۔ شاباش تو نے تین ماہ میں ہی لارڈ ریڈنگ جیسے مدبر۔ منصف اور دنیا کو ایک نگاہ سے دیکھنے والے آزاد خیال انگریز کی بسنجی کرکری کردی ؛

ہونا کیا تھا اور کیا ہو گیا

لارڈ ریڈنگ میں بیوروکریسی کی پہلی جھلک اس روز نظر آئی جب اُنہوں نے چیمسفورڈ کلب میں مہاتما گاندھی کی ملاقات کا ذکر تمسخرانہ لہجہ میں کیا۔ دوسری جھلک اُس وقت دیکھی گئی۔ جب اُنہوں نے مولانا محمد علی کی تقریر کی غلط تاویل کرکے اس کو گورنمنٹ سے معافی کا نام دیا۔ پکے نوکر شاہی روپ میں آپ نے اس روز اپنا جلوہ دکھایا۔ جب یہ کہدیا کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت نسلی مساوات پر قایم ہے ؛

مساوات

دنیا حیران ہے۔ اور سادھارن لوگ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا لارڈ ریڈنگ کو معلوم نہیں کہ ضابطہ فوجداری میں باب ۳۳۔ ابھی تک موجود ہے۔ جس کے رو سے کسی یوروپین کا مقدمہ ہندوستانی جج سماعت نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ ہائی کورٹ کا چیف جج ہی کیوں نہ ہو۔ اور ملزم چاہے گٹر کا معمولی گورہ کیوں نہ ہو۔ اس کے مقدمہ کی سماعت جیوری سے ہوتی ہے۔ سشن جج بھی ایک سال سے زیادہ قید نہیں کر سکتا۔ جیلخانوں میں مخاص آرام اور سہولتیں اور آرام دہ مکان مہیا کئے جا

ں۔ اور وہاں بھی اس کی اتنی خاطر تواضع ہوتی ہے۔ جتنی کہ ہندوستانی
سسرال میں ہوتی ہے +

کیا لارڈ ریڈنگ کو معلوم نہیں کہ ریلوے میں یوروپین اور یوریشین
لوگوں کے لئے کمرے مخصوص ہوتے ہیں۔ باقی مسافر خواہ کتنی ہی تعداد اور
تکلیف میں کیوں نہ ہوں۔ اور یہ کمرے بالکل خالی کیوں نہ ہوں۔ مگر ہندوستانی
ان میں بیٹھنے کی اجازت ہی نہیں۔ محکمہ ریلوے میں جن کے نام یوروپین
ہوں۔ ان کو تنخواہ و دیگر معاملات میں ترجیح دی جاتی ہے۔ تمام اعلےٰ عہدے
یوروپینوں سے پر ہیں۔ ہندوستانیوں کی نسبت انہیں تنخواہیں زیادہ دی
جاتی ہیں۔ کوئی ہندوستانی یوروپین کی طرف انگلی اٹھائے تو گردن زدنی
سمجھا جاتا ہے۔ مگر ہندوستانی اگر یوروپین کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ تو
معاملہ خفیف سمجھا جاتا ہے۔ مسٹر ریڈ گورہ نے ہندوستانی قلی پر قاتلانہ حملہ کیا
اور ایک نہایت بیہودہ کہانی اپنی صفائی میں بیان کرکے بری ہو گیا۔ حال
میں ہی ایک پنجابی لیڈی کی عصمت پر حملہ کرنے والے گورے کو باوجود اس
کے اقبال کے صرف ۵۰ جرمانہ کی سزا کافی سمجھی گئی۔ مگر لارڈ ریڈنگ کی چشم بینا
کوئی فرق نہیں دیکھتی +

انصاف

لارڈ چیمسفورڈ پر الزام یہ تھا کہ ان کے عہد میں ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ
کے بہانہ سے ظلم کیا جاتا ہے۔ اور لوگوں کو نظربند اور قید کیا جاتا ہے۔ مگر لارڈ
ریڈنگ کے عہد میں دفعہ ۱۰۷ و دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کو نہایت شرمناک
طریقہ سے توڑ مروڑ کرکے بے گناہوں کو جیل میں بھیجا جاتا ہے۔ اور پہلے سے
بہت زیادہ تعداد میں۔ مہاتما گاندھی کی جے کہنے والوں پر دفعہ ۱۰۷ قائم کرکے
جیلخانہ میں دھکیلا جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ قانون کی جو مٹی پلید اب ہوئی ہے
ویسی کبھی نہیں ہوئی۔ پولیس خلافت اور کانگرس کے سرگرم ممبروں کو کسی کسی

نرغے میں پھنسانے کے درپے رہتی ہے۔ سردار سردول سنگھ کویشر کے
مقدمہ میں زور کا ترجمہ مسٹر ... کے جس انصاف کا ثبوت دیا ہے
وہ ہمیشہ یادگار رہیگا۔ لارڈ چیمسفورڈ کے عہد میں جلیانوالہ باغ اور ننکانہ
صاحب کے قتل عام ہوئے۔ مگر اس کے بعد چاند پور کا دردناک واقعہ اور
دھاروار میں پولیس کا بلا اطلاع اور مجسٹریٹ کی موجودگی کے بغیر باامن
شہریوں پر گولیاں چلانا اسی قسم کے واقعات ہیں۔ اور یہ سب کچھ لارڈ ریڈنگ
کی موجودگی میں ہو رہا ہے۔ اس میں ان کا بھی کیا قصور ہے۔ طرز حکومت
ہی ایسا ہے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں فتویٰ دیدیا
ہے کہ لارڈ ریڈنگ بیوروکریسی کے ہاتھ میں ایسے پڑ گئے ہیں کہ اب نکلنے کی
اُمید نہیں۔ خیر انگریزوں کو جانے دیجئے۔ یہ تو ولایت سے آتے ہی اس لئے
ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو مضبوط کریں۔ یا بالفاظ دیگر ہندوستان کی
غلامی کو پائیدار کریں ٭

ہندوستانی عنصر

لارڈ سنہا کانگریس کے پریزیڈنٹ رہ چکے ہیں۔ جب وہ وائسرائے کی
اگزیکٹو کونسل میں ممبر ہوئے۔ تو ہندوستانیوں نے سمجھا کہ بس اب ایون بار
ہو گئے۔ گورنمنٹ ہند کی انتظامیہ کونسل میں ہندوستانی کی موجودگی اس
امر کی ضمانت ہے کہ ہندوستانیوں پر زیادتی نہ ہوگی۔ مگر انہیں کے وقت میں
انہیں کے ہاتھوں سے رنگ برنگے قانون بنے ٭

لارڈ سنہا نے ترقی کی۔ نائب وزیر ہند ہوئے۔ مگر ہندوستان کی
بھلائی کچھ نہ ہوئی۔ لارڈ سنہا گورنر بنے۔ خوش اعتقاد لوگوں نے کہنا شروع
کیا کہ ہندوستانی رہنما اور ہندوستانی گورنر سمت ... کا راج آیا۔ مگر لارڈ
سنہا نے تشدد میں انگریزوں کو بھی مات کر دیا۔ گورنر بننے سے پہلے ان کے دل
میں مہاتما گاندھی کی بڑی بھاری عزت تھی۔ اب کی رام جانے کہ مہاتما جی کی

نسبت ان کا کیا خیال ہے۔ مگر ان کے مشن کو پھیلنے کی جو کوشش اور جیرلارڈ
سنہا کے علاقہ میں ہو رہی ہے۔ وہ کسی اور علاقہ میں نہیں۔ خیر یہ تو ملازم
ہیں۔ اور عقلمندوں نے کہا بھی ہے کہ جس کا نمک کھایئے اس کی ہی فرمانبرداری
کیجئے۔ طرز حکومت ہی ایسا ہے ٭

جادو کی لکڑی

شروع ۱۸۹۵ء کا ذکر ہے۔ جبکہ میں ابھی طالب علم تھا۔ چند لڑکوں نے
ایک روز سکول میں چرچا شروع کی کہ چھاونی فیروزپور میں ایک مہاتما آئے
ہوئے ہیں جو جادو کے ذریعے ہر ایک چیز پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ چرچا ہوتی ہوتی
ہیڈ ماسٹر صاحب کے کانوں تک بھی پہنچی۔ اور تجویز ہوئی کہ تماشا کرایا جائے
تماشا ہوا۔ مختلف کھیل تماشے دکھلانے کے بعد جادوگر نے ایک لکڑی نکالی۔
جس کو وہ جادو کی لکڑی کہتا تھا۔ ایک تھالی پر کپڑا ڈھکا گیا۔ اور کئی دفعہ جادو
کی لکڑی کو چھونے کے بعد کہنے لگا کہ جادو کا اثر ہونے دو۔ تم ہمارے نذرانہ
کا بندوبست کرو۔ چنانچہ ایک آنہ فی لڑکا چندہ وصول کیا گیا۔ اور جادوگر کو
تقریباً ۵ روپے دیئے گئے۔ تھوڑی دیر تاش کے کھیل دکھلا کر یکایک بول اُٹھا
جادو کا اثر ہو گیا۔ کپڑا اُٹھایا گیا۔ اور تھالی انگوروں سے بھری ہوئی تھی۔
اب چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ کسی نے کہا یہ نظر بندی کا کھیل ہے۔ حقیقت
میں انگور نہیں ہیں مگر دیکھنے والوں کو انگور نظر آتے ہیں۔ کسی نے کہا انگور
تو ہیں مگر جادو کے ہیں۔ ہاتھ لگانے ہی اُڑ جائیں گے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی
باتیں تھیں۔ جادوگر نے انگوروں کے گچھے اُٹھا لئے۔ اور چیدہ چیدہ لڑکوں
اور ماسٹروں کو دیکر کہا کہ کھا کر دیکھو۔ اُنہوں نے کھائے اور شہادت دی
کہ انگور اصلی ہیں اور نہایت لذیذ ہیں۔ اب تماشا دیکھنے والوں کے ۳
فریق ہو گئے۔ ایک فریق تو وہ تھا جو جادو کا قایل ہو گیا۔ اور جس کو اس بات
کا یقین ہو گیا کہ یہ سب کرشمے جادو کی لکڑی کے ہیں۔ ان کے لیڈر ہمارے

عمر رسیدہ ہیڈ ماسٹر تھے - یہ جادوگر کو مہاتما کہتے تھے - دوسرا فریق وہ تھا -
جو اس سب کارروائی کو شعبدہ بازی سمجھتا تھا - ان کے لیڈر ہمارے نوجوان
ڈرل ماسٹر تھے - یہ جادوگر کو معمولی مداری اور شعبدہ باز کہتے تھے - تیسرا
گروہ وہ تھا جس نے سکول میں چرچا کیا تھا - اور جو تماشا کرانے میں نمایاں
حصہ لیتا تھا - القصہ تماشا ہو چکا - اور جادوگر چلتا بنا - مگر فریق اول اور
دوئم میں بحث اس بات پر طول پکڑ گئی کہ تماشا کرنے والا

مہاتما تھا یا مداری

فریق اول کہتا تھا کہ روز روشن میں انگور پیدا کئے گئے ہیں - کھاکر
دیکھ لئے ہیں کہ واقعی انگور ہیں - دنیا کو کرشمہ دکھلانے کے واسطے مہاتما
تماشہ دکھلاتے پھرتے ہیں - ورنہ ان کو کس بات کی کمی ہے - جو لوگ مشکور
ہونے کی بجائے الٹا انہیں شعبدہ باز کہتے ہیں - وہ سخت ناشکر گزار اور
ناقدر شناس ہیں - فریق دوئم کہتا تھا کہ شکر ہم کس بات کا کریں - ہم سے
دس روپیہ وصول کرکے اس میں سے ایک روپیہ کے انگور ہم کو کھلا کر
باقی نو روپیہ بچا کر گھر کو لے گیا - بھلائی اس نے اپنے ساتھ کی ہے نہ کہ
ہمارے ساتھ - جادو وغیرہ کچھ نہیں محض ہتھ ناٹک ہے - بازار سے انگور
خرید کر لایا ہے - اور چالاکی سے تھالی میں ڈال دیئے - جن لڑکوں نے
سکول میں اس کے مہاتما پنے کی ہر چا کی ہے - وہ حقیقت میں مداری سے ملے
ہوئے ہیں - اور تماشے کی آمدنی سے حصہ لیتے ہیں - اسی جھگڑے میں بڑے کٹھن
میں امتحان سر پر آگیا - اور امتحان دیکر میں گھر چلا آیا - بات آئی گئی ہو گئی
اس وقت یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہم یہی تماشا پھر دیکھیں گے - مگر پولیٹکل
شکل میں +

پولیٹکل تماشا

یوروپ میں جنگ عظیم شروع ہوئی - تمام بڑی بڑی طاقتیں میدان

جنگ میں کود پڑیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ جرمنی بڑھتا ہی بڑھتا گیا۔ اور اتحادیوں کا قافیہ تنگ ہوتا ہی گیا۔ ہمارے حکمرانوں کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آنے لگا۔ ہندوستان میں بھی اس جنگ کی روزمرہ خبریں آتی تھیں۔ لوگوں نے چرچا کرنی شروع کی۔ انگریزوں نے خواہ مخواہ لڑائی کی بپتا اپنے گلے میں ڈال لی۔ جرمنی کہاں۔ فرانس کہاں۔ بلجیم سے کیا واسطہ جب کوئی انگلستان پر حملہ کرتا تو سمجھ لیتے۔ اس کا جواب فوراً دیا گیا کہ یہ شکوک فضول ہیں۔ انگریز دنیا کی بھلائی کی خاطر لڑائی میں شریک ہوئے ہیں۔ انگریزی قوم بے انصافی ہوتی ہوئی نہیں دیکھ سکتی۔ دنیا کی آزادی برقرار رکھنا ان کا دھرم ہے۔ آزادی اور انصاف برقرار رکھا جائے گا خواہ جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ انگریز بڑے پوتر آتما اور دھرماتما ہیں۔ قصہ کوتاہ ہندوستان میں بھی پولیٹکل تماشا شروع ہوا۔ کسی میں بلجیم کی ناگفتہ بہ حالت کا نقشہ کھینچا گیا۔ کسی میں جرمنی کے مظالم کا دردناک حال سنایا گیا۔ کسی میں انگلستان کی قربانی۔ آزاد خیالی۔ مظلوم قوموں کے حقوق کی حفاظت کے گن گائے گئے۔ کسی میں ہندوستانیوں کی وفاداری کی تعریف کے پل باندھے گئے۔ اور ان کے جذبات خدمتگذاری کو ابھارا گیا۔ اگست ۱۹۱۷ء کا اعلان ہوا۔ ہندوستان کی آزادی کی بنیاد رکھی گئی۔ ریفارم سکیم کو جادو کی لکڑی بیان کیا گیا کہ اس سے ہندوستان پر برکتیں نازل ہوں گی۔ اسی سے ہندوستان کو پولیٹکل آزادی ملے گی۔ مگر ہندوستان کو آزادی تبھی مل سکتی ہے۔ جبکہ انگلستان کی آزادی قایم رہے۔ جرمنی کی لڑائی انگلستان کی آزادی کو خطرے میں ڈالتی ہے۔ اس لئے ہر ایک ہندوستانی کا فرض ہے کہ فوج اور روپیہ سے انگلستان کی مدد کرے۔ لہذا ایک طرف تو ریفارم سکیم پک رہی تھی۔ اور اس کے اثر کا انتظار ہو رہا تھا۔ دوسری طرف ہندوستان میں قرضہ

جنگ - چندہ جنگ - اور امداد جنگ وغیرہ مختلف ناموں سے دھڑا دھڑ
روپیہ اکٹھا ہو رہا تھا - آخر جادو کی لکڑی کا اثر ہوا - پردہ اٹھا - اور انڈیا
ایکٹ نمودار ہوا - ہندوستانیوں کو اگزیکٹو کونسل کی ممبریاں اور وزارتیں
روپی انگور پیش کئے گئے - اب پولیٹکل دنیا میں ۲ گروہ ہو گئے - ایک گروہ
تو وہ تھا جو اپنے آپ کو وفادار سرکار کہتا تھا - اس کو جنگی خدمات کے صلہ
میں جاگیریں ملیں - خلعتیں عطا ہوئیں - انعام ملے - سارٹیفکیٹ اور خطاب
ملے - پبلک نے ان کو جے چند کی اولاد - اور جے چند ثانی کا خطاب دیا - مہاراج
جے چند ہندوستان کی تواریخ میں مشہور راجہ قنوج ہو گزرے ہیں -
انہوں نے محمد غوری کو مدد دے کر پرتھوی راج پر حملہ کرایا - اور مسلمانوں
کی سلطنت کی بنیاد ہندوستان میں ڈلوائی - محمد غوری نے پہلے
سال پرتھوی راج کو شکست دی - اور اگلے سال جے چند کا راج چھینا -
اس وقت سے غداروں اور قوم و ملک فروشوں کو جے چندیے کہتے ہیں -
دوسرا گروہ وہ تھا - جو انڈیا ایکٹ کے جادو کا قایل ہو گیا - ان کے لیڈر
ہندوستان کے عمر رسیدہ محب وطن سریندر ناتھ بینرجی ہیں - اس گروہ
کا خیال ہے کہ انڈیا ایکٹ واقعی ایک جادو کی لکڑی ہے - جس سے ہمیشہ
انگور پیدا ہوتے رہیں گے - ہندوستان کو آزادی دلائے گا - اس گروہ
نے اپنا نام ماڈریٹ رکھ لیا - تیسرا گروہ قوم پرست کہلایا - اس گروہ
کے لیڈر مہاتما گاندھی ہیں - اس گروہ نے علانیہ کہنا شروع کیا کہ یہ
شعبدہ بازی ہے - انگلستان کے مد بر مہاتما نہیں - بلکہ پولیٹکل مداری
ہیں - انڈیا ایکٹ کے انگور انگلستان سے نہیں آئیں گے - نہ آسمان
سے اتریں گے - بلکہ ہندوستانیوں پر ٹیکس لگا کر اس میں سے کچھ حصہ
تو ہندوستانیوں کو وزیروں اور ممبروں کی تنخواہ کی شکل میں دے کر
باقی یہ پولیٹکل مداری انگلستان کو لے جائیں گے - یہ مجھو دھوکا ہے

چال ہے۔ ہندوستانیوں کو زیادہ مفلس بنا دے گا۔ اس سے غلامی کی زنجیریں اور حکیڑنی جائیں گی۔ ہم اس شعبدہ بازی کو نہیں چلنے دینگے ماڈریٹ اور قوم پرستوں میں معاملہ کافی بڑھ گیا۔ اور اختلاف اس بات پر پیدا ہوا کہ انگلستان کے مدبّر

پولٹیکل مہاتما ہیں یا مداری

قوم پرست کہتے ہیں وہ ہم ان کو مہاتما کیسے مانیں۔ خلافت کے متعلق انہوں نے عہد شکنی کی۔ ہندوستان کو اس کی خدمات کے عوض رولٹ ایکٹ دیا۔ جلیانوالہ باغ میں بے گناہوں کا قتل عام کیا۔ امرتسر میں ہندوستانیوں کو پیٹ کے بل چلا کر اپنی خباثت کا ثبوت دیا۔ طالب علموں کو سخت گرمی کے دنوں میں ۱۶-۱۶ میل پیدل چلایا۔ قصور کے بے گناہ طالب علموں کو بید لگائے گئے۔ مانانوالہ میں شریف عورتوں کو بے عزت کیا گیا۔ شریف اور معزز شخصوں کو جیل میں ناحق ڈالدیا گیا۔ گوجرانوالہ میں با امن اور نہتی رعایا پر بم گرائے۔ اور ہوائی جہازوں سے حملہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ +

یہ لچھن مہاتماؤں کے نہیں ہوتے بلکہ ملیچھوں کے ہوتے ہیں۔ اس گورنمنٹ نے تو نادر شاہ اور چنگیز خان کو بھی مات کر دیا۔ ہندوستان کا لہو چوس چوس کر اس کو بالکل نیم مردہ سا کر دیا۔ اور تماشا دیکھو نئے انتظام میں بھی ایسا ہی الو سیدھا کیا۔ امسال بجٹ میں ۱۹ کروڑ روپیہ کا زاید خرچ منظور کیا گیا ہے۔ اس میں سے ۲½ کروڑ تو انڈین سول سروس کو پہلے ہی دے دیا ہے۔ اب نئی تجویز اور ترقیاں دینے کی ہو رہی ہے دیسیوں کو اگر ایک روپیہ دینگے۔ تو پانچ انگریزوں کے گھر پہنچا دینگے۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ "اندھا بانٹے ریوڑیاں پھر پھر گھر والوں کو دے"+

مستقبل پر امید ہے

ماڈریٹ صاحبان جواب دیتے ہیں کہ انسان سے غلطیاں ہو ہی

جایا کرتی ہیں۔ گزشتہ را صلواۃ آیندہ را احتیاط کے مسئلہ پر کاربند ہو۔ نئے سنہ میں ہندوستان کی صنعت بڑھے گی۔ تعلیم نئے طریق پر ہوگی۔ ہندوستان کے لئے پُرفضا مستقبل ہے۔ مگر قوم پرست ان باتوں سے نہیں زنبجھتے۔ ان کا مقولہ ہے کہ انگریز مدبروں کے قول فعل بلکہ تحریروں کا بھی اعتبار نہیں۔ اگر ہندوستان آزاد ہو سکتا ہے۔ تو اپنی ہمت سے۔ قوم پرستوں کے لیڈر مہاتما گاندھی نے علانیہ کہدیا ہے۔ کہ موجودہ گورنمنٹ شیطانی گورنمنٹ ہے۔ اس کا خاتمہ کر کے دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء سے پہلے پہلے سوراجیہ قائم کیا جائے گا۔ قوم پرستوں کے ہتھیار توپ بندوقیں نہیں ہوں گی۔ بلکہ روحانی طاقت سے مقابلہ کیا جائے گا۔ انکا ہتھیار یا اننسد "عدم تعاون" ہے۔ اس سے مفہوم یہ ہے کہ قوم پرست موجودہ گورنمنٹ کو کسی قسم کی مدد نہیں دیں گے۔ اور اگر ان پر ظلم ہوگا۔ تو شانتی سے سہیں گے۔ مگر خود ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ ہر طرح سے باامن رہیں گے ✦

برخلاف اس کے ماڈریٹ صاحبان گورنمنٹ کی عنایت میں یقین رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انگریز آزادی پسند ہیں۔ حق و ناحق کو پہچانتے ہیں۔ منصف و نیک۔ دل ہیں۔ جونہی ہندوستانی سوراجیہ کے لایق ہوتے جائیں گے۔ انگریز نہایت ایمانداری سے سوراجیہ عطا کر دیں گے۔ چنانچہ اسی یقین کی بنا پر انہوں نے نہایت شکریہ کے ساتھ وزارتیں۔ ممبریاں قبول کیں۔ دیگر عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ لیجسلیٹو کونسل میں بھرتی ہوئے۔ ہمیں ماڈریٹ صاحبان کی نیک نیتی اور ایمانداری پر ہرگز شک نہیں۔ اور ہو بھی کس طرح سکتا ہے۔ جن میں سرنیدر ونا تھ بینرجی۔ سری نواس شاستری۔ مسٹر پرانجپئے۔ مسٹر چنتامنی۔ پنڈت جگت نراین۔ اور لالہ ہرکشن لال جیسے بھارت کے سپوت شامل ہوں

جنہوں نے اپنی زندگیاں ملک اور قوم کی خدمت میں گزار دیں۔ جو کہ کانگرس کی کشتی کی نہایت وفاداری اور ایمانداری سے ملاحی کرتے رہے۔ جن کی زندگیاں بے لوث۔ جن کی لیاقت مسلمہ۔ جن کی قربانیاں لاثانی۔ جن کی خدمات شاندار ہیں۔ مگر نوکرشاہی کان کا کرشمہ دیکھو۔ اس کے اثر کی تیزی دیکھو۔ جونہی کہ یہ بھارت کے چمکتے ستارے نوکرشاہی میں شامل ہوئے۔ ان کی چمک مدھم پڑنی شروع ہوئی۔ ان کی ذاتی خوبیاں یکے بعد دیگرے زایل ہونی شروع ہوئیں۔ ان کا نقطہ خیال ایسا بدلا کہ ملازمان سرکار اور ان میں تمیز کرنا دشوار ہوتا جاتا ہے۔ واقعات تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان کا رویہ زبان حال سے کہہ رہا ہے:-

ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد

مہاتما گاندھی کہتے ہیں۔ سوراجیہ ہمارا پیدائشی حق ہے۔ اور ۱۹۲۱ء کے خاتمہ سے پہلے پہلے لے کر چھوڑیں گے۔ گورنمنٹ کہتی ہے کہ بے شک سوراجیہ تمہارا حق ہے۔ مگر جوں جوں تم لائق بنتے جاؤ گے۔ آہستہ آہستہ بتدریج تمہیں عطا کریں گے۔ عرصہ اور لیاقت کا فیصلہ گورنمنٹ پر چھوڑ دو۔ ماڈریٹ صاحبان انگریزوں کے ہم آواز ہیں۔ ان کو سوراجیہ ایک سال میں زور بازو سے نہیں چاہیئے۔ وہ سوراجیہ آہستہ آہستہ چاہتے ہیں۔ وہ بھی بھکاری بنکر۔ ان کو اپنی قابلیت پر بھروسہ نہیں رہا۔ وہ اس کا سارٹیفکیٹ انگریزوں سے چاہتے ہیں۔ ہم ماڈریٹ صاحبان سے ایک پرارتھنا کرتے ہیں اور نہایت موٹی اور سیدھی بات ہی ہے۔ وہ یہ کہ تمہارا سوراجیہ تو بہت دیر میں آئے گا۔ اور ممکن ہے۔ اس عرصہ میں انگریز سوراجیہ عطا کرنے کا ارادہ بدل لیں۔ یا ان کی نیت ہی بدل جائے۔ یا کوئی ارضی یا سماوی

آفات ایسی آپڑیں کہ انگریزوں کے لئے اپنا اقرار پورا کرنا ناممکن ہو جائے۔ یا اس اقرار کو پورا کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ مہاتما گاندھی مہینوں میں سوراجیہ دلانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ مل کر متفقہ کوشش کریں۔ اس سوراجیہ کے دکھاوے میں اگر کامیابی ہو گئی۔ تو بہت خوب۔ ہم بھی سوراجیہ کے مزے اڑائیں گے اور قوم پرست بھی چین کریں گے۔ اگر ناکامی ہوئی۔ تو تمہارا طریقہ آزما لیا جائے گا۔ مگر ماڈریٹ صاحبان ادھر کان ہی نہیں دھرتے۔ پروں پر پانی ہی نہیں پڑنے دیتے۔ کانگرس نے کئی دفعہ ان کو دعوت دی کہ کانگرس میں آکر ہماری بات سنو۔ اپنی سناؤ۔ مگر سنتا ہی کوئی نہیں۔ اب تو انگریزوں کی کلبوں میں جانا۔ ان کی تقریریں سننا مرغوب طبع ہے۔ کانگرس کی تقریریں اب یاوہ گوئی پر مبنی ہوتی ہیں +

شروع شروع میں نوکرشاہی نے عدم تعاون پر خوب مضحکے اڑائے۔ لارڈ چیمسفورڈ نے تو علانیہ کہدیا تھا کہ عدم تعاون دنیا میں سب سے بڑی احمقانہ تحریک ہے۔ ماڈریٹ صاحبان بھی نوکرشاہی کے ساتھ مل کر پھبتیاں اڑاتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد نوکرشاہی کو معلوم ہوگیا کہ یہ تحریک احمقانہ نہیں بلکہ بڑے بڑے احمقوں کو بھی درست کرنے والی ہے۔ انہیں لرزہ پیدا ہوا۔ اور انگریزوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ تحریک خطرناک ہے۔ اس کو روکو۔ تھامو۔ مارو۔ کچلو۔ ماڈریٹ صاحبان بھی احمقانہ احمقانہ کی گردان چھوڑ کر خطرناک۔ بہت خطرناک۔ نہایت خطرناک کا راگ الاپنے لگ گئے۔ چھوٹے چھوٹے ماڈریٹ صاحبان کا تو کیا کہنا ہے۔ مسٹر بینرجی۔ اور مسٹر شاستری جیسے عقلمند۔ سنجیدہ اور متانت پسند بزرگ جا پہنچا۔ موقعہ بے موقعہ عدم تعاون کو کوستے رہتے ہیں۔ مسٹر شاستری ہندوستان کے نمایندے بن کر نو آبادیوں کی

کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے ولایت گئے ہوئے ہیں۔ وہاں آپ نے حال ہی میں ایک تقریر کی ہے۔ جس میں بجا طور پر اس پہلو کی کی سخت شکایت کی جو ہندوستانیوں کے ساتھ نوآبادیوں میں ہوتی ہے۔ مگر تقریر کے آخری حصہ میں عدم تعاون کو خوب کوسا۔ دنیا متعجب ہے۔ کہ عدم تعاون کے ذکر کرنے کا کونسا موقع تھا۔ مگر موقعہ اور محل سے کیا غرض یہ تو آقا کے نوکر ہیں نہ کہ بینگن کے ۔

روایت ہے کہ ایک آقا نے بینگن کی تعریف کی۔ نوکر نے فوراً ہاں میں ہاں ملا دی کہ حضور بینگن بہت اچھی چیز ہے۔ خدا نے کیسا خوبصورت رنگ اس کو بخشا ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ سبز رنگ کا تاج پہنایا ہے۔ نہایت خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتا ہے۔ امیروں کے دسترخوانوں پر سجتا ہے آقا نے بینگن کی ترکاری کھائی۔ مگر بدہضمی ہو گئی۔ اگلے دن آقا شکایت کرنے لگا کہ بینگن بڑی چیز ہے رات کو درد ہوتا رہا۔ نوکر نے فوراً کہا کہ ہاں حضور بہت خراب چیز ہے۔ گرم خشک ہے۔ نفخ پیدا کرتا ہے۔ معدہ کو کمزور کرتا ہے۔ قدرت نے بھی سیاہی مائل رنگ دیا تاکہ دنیا میں یہ روسیاہ رہے۔ اور بطور سزا کے اس کے سر پر کھونٹا گاڑ دیا ہے۔ نوکر کی یہ دلایل سن کر آقا نے کہا۔ کل تم تعریف کرتے تھے آج برائی کرتے ہو۔ نوکر نے فوراً جواب دیا کہ میں اپنے آقا کا نوکر ہوں نہ کہ بینگن کا ۔

عدم تعاون کی تحریک انگریزوں کو نہیں بھاتی۔ اور اس میں وہ حق بجانب ہیں۔ انہیں خیال ہے کہ اس سے انگریزی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں۔ اس لئے جائز اور ناجائز طریق سے اس کو دبانا چاہتے ہیں۔ اس مدعا کی تکمیل کے لئے انہوں نے بچے چند لیڈروں اور نادر ٹیوں سے مدد چاہی ہے مجھے چھنیے تو اپنے موقعوں کی تاک

میں رہتے ہی ہیں۔ ماڈریٹ بھی کٹھ پتلی بن گئے۔ دونوں نے ملکر سوسائٹیاں قایم کیں۔ جن کو پنجاب میں لبرل لیگ اور یوپی میں امن سبھاؤں کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ سوسائٹیاں کئی طریق سے گورنمنٹ کی مدد کرتی ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جب افسران گورنمنٹ دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کے نام پہ کانگرس والوں کے جلسے بند کر دیتے ہیں۔ تو لبرل لیگ یا امن سبھا والے خوب دل کھول کر کانگرس والوں کو کوستے ہیں۔ اور اپنے پھیپھڑوں کی طاقت کا ثبوت دیتے ہیں۔
دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پولیس سرگرم قوم پرستوں کے چالان دفعہ ۱۰۸ ضابطہ فوجداری یا کسی اور قانون کے رو سے کر دیتی ہے۔ تو گواہان بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ ایک تیسرا طریقہ اور ہے کہ کسی ٹکر گدا کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اس کو روپیہ بہم پہنچایا جاتا ہے۔ وہ کانگرس کے سرگرم ممبروں پر زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری استغاثہ دایر کر دیتا ہے۔
مجسٹریٹ پہلے ہی اُدھار کھائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ کچی پکی شہادت کی اور ملزمان جیل میں۔ ملزمان بھی عجب سخت جان ہیں۔ وہ نہ مچلکہ دیتے ہیں نہ ضمانت۔ نہ پیروی کرتے ہیں اور نہ اپیل جیل میں جانے کے لئے سخت بیتاب رہتے ہیں۔ قوم پرستوں کو جیل بھیجنے کا عمل بڑے وسیع پیمانے پر جاری ہے۔ ہم ماڈریٹ صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ تم گناہ بے لذت میں کیوں پڑتے ہو۔ بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگتے ہو۔ کیا تمہیں ہندوستان کا سوراجیہ نہیں چاہیئے۔ تم خود قوم پرست تھے۔ قوم اور ملک کی لڑائیاں لڑتے رہے ہو۔ تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ قوم پرست ہونا کانٹوں کی سیج ہے۔ تمہیں قوم پرستوں کی تکلیف میں کیوں خوشی ہوتی ہے۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ تو تم خود عدم تعاون کی تحریک کو تن من دھن سے ترقی دو۔

جتنے قوم پرست نالی ورتن کرتے جائیں گے - تمہارے لئے ترقی کا میدان صاف ہوتا جائے گا - اس بات کو تم بھی جانتے ہو - ہم بھی جانتے ہیں - بلکہ دنیا جانتی ہے - کہ اگر قوم پرست عدم تعاون نہ کرتے تو تم میں سے بہت سے وزارتوں اور ممبریوں سے محروم رہ جاتے - اور ان کو وہ عہدے نصیب نہ ہوتے - جن کے مزے وہ اڑا رہے ہیں - عدم تعاون جوں جوں پھیلے گا - تمہارے واسطے اور تمہاری اولاد اور عزیزوں و اقربا کے لئے ترقی کا دروازہ کھلتا جائے گا - اب تو گورنمنٹ تمہاری خاطر کرتی ہے - آیندہ خوشامد کیا کرے گی - یہ ایک تسلیم کیا ہوا راز ہے - اب بھی اگر تم عدم تعاون کی مدد نہ کرو گے - تو ہم سمجھیں گے کہ نوکر شاہی کا نچ صرف تمہیں قوم اور ملک کی بہتری سے روکتی ہے - بلکہ تمہیں اپنا فائدہ سمجھنے کے قابل بھی نہیں چھوڑتی ہ

آزادی کا عطیہ

قوم پرستوں نے شراب کے خلاف جہاد کیا - اور اس کا استعمال قریباً قریباً بند ہو گیا - مہاتما گاندھی کا مطالبہ ہے - کہ چونکہ شراب ہندوستانیوں کے اخلاق اور صحت کو بگاڑتی ہے - اور ملک نے اپنے رویہ سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس سے نفرت کرتا ہے - گورنمنٹ اس کی فروخت بند کر دے - شراب کی فروخت سے روپیہ کمانا گورنمنٹ کے لئے پاپ ہے - رعایا کی بدعادتوں کو روکنا گورنمنٹ کا فرض ہے - مگر گورنمنٹ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ وہ شراب خوروں کی آزادی کو نہیں روک سکتی - اس کا فرض ہے کہ ٹھیکے قایم رکھے - قربان جائیے اس منطق پر - اور نثار جائیے اس آزادی کے عطیہ پر - لڑائی کے دنوں میں جس آزادی دینے کا گورنمنٹ نے اشارہ کیا تھا - وہ کہیں شراب کی آزادی سے تو مراد نہیں تھی - تقریر کی آزادی بند - تحریر کی آزادی بند

جلسے کرنے کی آزادی بند - مگر شراب پینے کی پوری پوری آزادی - ان
دوسرا عذر گورنمنٹ کا یہ ہے کہ شراب بند کرنے سے ۱۸ کروڑ مالیہ کا نقصان
ہوگا - مہاتما گاندھی کہتے ہیں کہ بدی کی آزادی ہرگز گورنمنٹ کو نہیں دینی
چاہیئے - انہوں نے ماڈریٹ صاحبان سے اپیل کی ہے کہ اگر ہمارے
پروگرام کے دوسرے حصوں سے ان کا اتفاق نہیں تو نہ سہی - شراب
کے بند کرنے میں تو ماڈریٹ صاحبان اپنا زور لگا دیں - شراب کا محکمہ
نئے انتظام میں وزیروں کے سپرد کیا گیا ہے - اور اس پر ان کا اختیار
ہے - وزیر سب کے سب ماڈریٹ ہیں - مہاتما گاندھی کی اس پر زور اپیل
کا کوئی جواب اب تک ماڈریٹ لیڈروں کے اخبارات نے نہیں دیا
البتہ شراب پینے والوں کی آزادی اور مالیہ کے نقصان کا ان کو بھی
رونا ہے - شراب پینے والوں کی آزادی کی حمایت کا حال سن کر چوروں
اور ڈاکوؤں کے منہ میں بھی پانی بھر آتا ہے - اور ان کی خواہش ہے
کہ ان کے پیشہ کی ان کو آزادی دی جاوے - وہ مالیہ بھی کافی دینگے -
رنڈیوں کو بھی میونسپل کمیٹیوں کے خلاف شکایت ہے کہ ان کو شہر کے
آباد حصوں سے نکال دیا ہے - اگر گورنمنٹ براہ مہربانی ان کے پیشہ کی
کھلی آزادی دے دے - اور بارونق حصوں میں رہائش رکھنے کی ان کو
اجازت مل جائے - تو وہ علاوہ شکرگزار ہونے کے گورنمنٹ کو مالیہ
بھی دے سکتی ہیں - دیکھئے ان کو آزادی کب ملتی ہے - ناظرین کیا
اب بھی آپ کو ماڈریٹ صاحبان کے نمک بن جانے میں کوئی شک ہے

مہاتما گاندھی کا فرمان ہے کہ گھر گھر چرخہ کاتو کھڈیوں پر کپڑا بنو
دیسی کپڑے کے پہننے کا پرن کرو - بدیشی کپڑے کو تیاگ دو - ہندوستان
کی غریبی دور ہوگی - مانچسٹر والوں کی عقل ٹھکانے آجائے گی - یہ تجویز
مسٹر چنتامنی کے اخبار لیڈر کو پسند نہیں آئی - وہ اس پر تمسخر اڑاتا ہے اور

لکھتا ہے - مہاتما گاندھی لوگوں کو زمانہ جہالت کی طرف لیجانا چاہتا ہے - اور
غریبوں کو اور مفلس بنائے گا - کیونکہ سب لوگ سودیشی کپڑا پہنیں گے تو
کپڑا مہنگا ہو جائے گا - اور غریبوں کو زیادہ دام دینے پڑیں گے - اِس دلیل
روشن کر بے اخبار شیخ سعدی کا شعر یاد آتا ہے :-

بریں عقل و ہمت بباید گریست

ہم لیڈر اخبار کو موٹے الفاظ میں سمجھا دیتے ہیں - زید ایک غریب
شخص ہے - اس کی عورت نے چرخہ کاتا - زید نے کھڈی پر کپڑا بن لیا -
سارے کنبے نے پہن لیا - اور جو زائد کپڑا بنا وہ فروخت کر کے دام وصول کر
لیئے - اب لیڈر صاحب فرمائیں کہ زید غریب ہوا یا امیر - مہاتما گاندھی کا کیا
قصور ہے - اگر آپ سمجھنے کی کوشش نہ کریں ◆

تازہ ثبوت

میاں فضل حسینؒ پنجاب کے آج کل وزیر ہیں - آپ ایم - اے ہیں
اور بیرسٹر ہیں - نہایت بیدار مغز اور قابل شخص ہیں - پنجاب بار کے لیڈر
رہ چکے ہیں - انتظامیہ اور عدالتی اختیارات کی علیحدگی کے شروع سے حامی
رہے ہیں - قوم پرستوں میں آپ کا نمایاں درجہ رہ چکا ہے - آزاد خیال گنے
جاتے ہیں - آپ نے پنچایت بل حال ہیں پیش کیا ہے - جس کے روسے گاؤں
میں پنچائتیں قایم کی جائیں گی - مگر پنچوں کا تقرر اور برخاستگی بجائے اس کے
گاؤں والوں کے ہاتھ میں بذریعہ انتخاب کے دیتے - آپ نے صاحب ڈپٹی
کمشنر کے ہاتھ میں دے دیا ہے - جس کے یہ معنی ہیں کہ گویا کہ گاؤں والوں
کی عدالتیں صاحب ڈپٹی کمشنر مقرر کیا کریں گے - کیوں صاحب! انتظامیہ اور عدالتی
اختیارات آپ علیحدہ علیحدہ کرتے ہیں - یا عدالتوں کو انتظامیہ محکمہ کے ماتحت
کرتے ہیں - انصاف کی پہلے ہی بہت مٹی پلید ہو چکی ہے - اس بل کے پاس
ہونے سے پلید تر ہو جائے گی - ہم حیران ہیں - میاں فضل حسین صاحب کو کیا ہو گیا

جی ہونا کیا تھا۔ اثر کیا ہو گیا ہے۔ اب اگرچہ تقریری کے بار کمیں بل ترمیم ہو گیا ہے مگر یہ ترمیم کونسل نے کی ہے
کہ وزیر صاحب نے۔

مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا

پنجاب میں ہر ایک جاتی کے سکول ہیں۔ ڈی۔ اے۔ وی سکولوں
الصہ سکولوں کا تمام پنجاب میں جال بچھا ہوا ہے۔ سناتن سبھا اور اسلامیہ
سکول بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ موجودہ قومی تحریک میں یہ سکول اور
رائیویٹ کالج بالکل الگ رہے ہیں۔ تلک سوراجیہ فنڈ کی فراہمی میں ان
نام نہاد قومی سکولوں کے ماسٹروں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور اس طرح
سے خاموش رہے ہیں۔ گویا کہ ہندوستان کے باشندے ہی نہیں۔ کھدر
کے پرچار میں بھی مجرمانہ غفلت کر رہے ہیں۔ لڑائی کے دنوں میں ڈبل کمپنی
کی بھرتی میں انہوں نے بڑا نمایاں حصہ لیا تھا۔ چندہ جنگ اور قرضہ جنگ
بھی اکٹھا کیا تھا۔ مگر قومی تحریک کے وقت ان سب پر پانی پڑ گیا۔ جنگ
کے ایام میں زخمیوں کی مرہم پٹی کی کلاسیں ہر ایک پرائیویٹ سکول نے
کھول دی تھیں۔ مگر چرخہ کاتنے اور کھڈیوں پر کپڑا بننے کی کلاسیں کھولتے
ہوئے ہیڈ ماسٹروں اور منیجروں کو شرم آتی ہے۔ اور پرائیویٹ سکول اور
کالج قومی تحریک سے اسی طرح الگ تھلگ ہیں۔ جیسے کہ جے چند بیٹے
اور ماڈریٹ یونیورسٹی کے ساتھ تعلق ٹوٹنے کا خوف یا امداد بند ہو جانے
کا ڈر اور بعض حالتوں میں محض انسپکٹر کی ناراضگی۔ پرائیویٹ سکولوں
سے قومی غداری کراتی ہے۔ اور یہ سکول بھی اپنے آپ کو گورنمنٹ کا حصہ
سمجھتے ہیں۔ ان کا رویہ دیکھ کر یہ مثل صادق آتی ہے کہ مینڈکی کو بھی
زکام ہو گیا ٭

معما

ان سطور کو پڑھ کر ناظرین ضرور سوال کریں گے کہ نوکرشاہی کیا
گورکھ دھندا ہے۔ یہ کیا معما ہے۔ کہ جو نوکرشاہی کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ

وہ اسی کا روپ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کیا چیز ہے جس کا اثر نہ آزاد خیال انگریز کو بچنے دیتا ہے۔ اور نہ دیش بھگت ہندوستانی کو۔ نہ نشکام کام کرنے والے اس سے بچتے ہیں۔ اور نہ خود غرض اور اس کی بھی کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے مفاد کے خلاف کیوں سب کی طبیعت کا رجحان ہو جاتا ہے۔ اس معمہ کا حل مفصل ہمارے دوسرے مضمون بعنوان دیوتا اندر سے ہو جائے گا۔

دُوبانڈر

یا پانچ نہیں تین نام۔ پشو۔ پرسا۔ پرم

ہماری سرشٹی جیو اور پرکرتی سے بنی ہوئی ہے۔ یا یوں کہئے کہ دنیا کی تقسیم جاندار اور بیجان اور بے جان مادہ اکو ہم پرکرتی کہتے ہیں۔ اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ جو تاثیر یا خاصیت ایشور نے اس کو دی ہے۔ وہ ہر حالت میں ظاہر کر دیتا ہے۔ آگ کا گن جلانا ہے۔ اس کا ثبوت کسی وقت لے لو۔ آگ ہمیشہ جلانے کا کام کرے گی۔ مجال نہیں رتی بھر فرق آئے۔ سائنسدان اپنی خاص زبان میں اس عمل کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ مادہ ہمیں کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ جانداروں کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ میں انسان اور دوسرے میں تمام پشو پنچھی شامل ہیں۔ پشو اور پنچھی کو پرماتما نے طاقت گویائی تو دی۔ مگر ہم اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ رام جانے وہ کیا کہتے ہیں۔ اور ان کے من میں کیا گزرتی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ صم بکم کا عالم ہیں۔ ایک فائدہ ان کی بولی نہ سمجھنے میں ضرور ہے کہ نہ وہ ہمیں دھوکا دے سکتے ہیں۔ اور نہ ہم اُن سے دھوکا کھاتے ہیں۔ اب رہے حضرت انسان۔ اس کو پرماتما نے ایک دو گُر سے بات چیت کرنے کی شکتی دی ہے۔ فلاسفر کہتے ہیں کہ انسان کے دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو زبان سے بتلاتا ہے یا عمل سے ظاہر کرتا ہے۔ بچہ اپنی قدرتی سادگی سے جو من میں آتا ہے وہی زبان سے کہہ دیتا ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد اپنے بزرگوں اور ہمجولیوں کی دیکھا دیکھی وہ اپنے من کے بھاؤں کو چھپانا سیکھ لیتا ہے۔ دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور زبان سے کچھ اور کہتا ہے۔ اس کو دھرم کی لغت میں جھوٹ بولنا کہتے ہیں۔ مگر دنیا دار کی لغت میں اس کے کئی نام ہیں۔ اگر

غریب آدمی ایسا کرے۔ تو اس کو بے ایمان اور پاپی کہتے ہیں۔ مالدار اور امیر ایسا کر
تو اس کے معنی ہوشیاری اور عقلمندی لئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر راجا یا اسکے اہلکار
کریں۔ تو اس کا نام تدبر مصلحت اور ضرورت ملکی ہو جاتا ہے۔ انسان نے جہاں اور
باتوں میں ترقی کی۔ وہاں پر ادائیگی خیالات میں بھی مہارت پیدا کر لی ہے۔ اب
ایسے طرز سے گفتگو اور تحریر کرتا ہے۔ جس کے دو معنی نکل سکیں۔ اس کو اردو میں
ذو معنی بات کہتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ملکی مدبروں کی تحریروں اور تقریروں میں یہ وہ
ہے کہ ان کے معنی الٹے بھی نکل سکتے ہیں۔ سرسری نگاہ میں بامعنی معلوم ہوتی ہیں
لیکن باریک اور غور سے مطالعہ کرنے پر بے معنی ہو جاتی ہیں۔ مدبروں کے لیس ترم
جھوٹ سچ اور بدی نیکی بن جاتی ہے۔ اسی لئے تو کسی دل جلے نے کہا ہے "پاپا
تین نام۔ پرسو۔ پرسا۔ پرسرام" ؎

کسان کی ذات بھولی اور بیوپاری کی ذات سیانی

انسان کی عادات بنانے میں اس کے روزمرہ کے کاروبار یا پیشہ کا بڑا بھاری
اثر ہوتا ہے۔ مثلاً وکیل کو لیجئے۔ اس کا واسطہ مقدمہ باز یا جھگڑالو لوگوں یا مجرموں سے
پڑتا ہے۔ اس لئے وکیل کی طبیعت شکی ہو جاتی ہے۔ وہ ہر ایک کام میں محتاط ہو جاتا
ہے اور چوکنا رہتا ہے۔ معمولی معمولی بات اور سادی سادی تحریروں میں اس کو
دھوکے کی بو آنے لگتی ہے ؎

بیوپاری جگہ بہ جگہ پھرتا ہے۔ جہاں پر کوئی چیز سستی ملی وہاں سے خرید لی
اور جہاں مہنگی ہوئی بیچ دی۔ اپنی چیز زیادہ سے زیادہ داموں پر بیچنے اور دوسرے
کی چیز سستے سے سستے داموں پر خرید لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ قریبی
رشتہ داروں کے ساتھ بیوپار کرتے وقت بھی اپنی عادت سے نہیں چوکتا۔ اپنا
مطلب نکالنے کی غرض سے بعض دفعہ ایسا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اور ایسی باتیں بناتا
ہے۔ گویا کہ وہ دوسروں کی خاطر جیتا ہے۔ اپنے پیشے کی ضروریات اس کو مستقبل

کے سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اور وہ دور اندیش بن جاتا ہے۔ اتار چڑھاؤ دینے میں ماہر ہو جاتا ہے۔ ناواقف اور دشمن اس کو مکار اور مطلبی کہتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بیوپاری کی ذات سیانی ہوتی ہے۔ پہلے تو ساری لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر ساری نہ ملے۔ تو آدھی سہی۔ اگر آدھی بھی نہ ملے۔ تو جو ملے سو ہی سہی۔ وکیل اور بیوپاری کے مقابلہ میں ہم سائنسدان موجد اور کسان کو رکھ سکتے ہیں +

موجد کی طبیعت میں شک کو گنجایش نہیں ہوتی۔ اس کا واسطہ مادے سے پڑتا ہے جو اس کو کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ دو چیزوں کو وہ ملاتا ہے اور فتوےٰ دیدیتا ہے کہ ایسا نتیجہ ظہور میں آئیگا۔ وہ سرل سوبھاؤ اور شانت طبیعت بن جاتا ہے +

اسی طرح کسان کا تعلق زیادہ تر مویشیوں اور زمین سے پڑتا ہے جو اس کو دھو نہیں دیتے۔ اس لئے کسان میں دھوکا دینے کی شکتی نشوونما نہیں پاتی۔ وہ زمین میں بیج بوتا ہے۔ اور قدرت پر اعتبار کر کے آیندہ فصل کی امید کرتا ہے۔ اس میں خ پر توکل رکھنے اور اعتبار کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور وہ اللہ توکلی بن جاتا ہے قدرتی سادگی کے ساتھ جو دل میں ہوتا ہے کہہ دیتا ہے۔ اپنے خیالات کو چھپانے قابلیت اس میں نہیں ہوتی۔ بیوپاری کے چھل چھل اس کو نہیں آتے۔ چونکہ اپنی رو زور بازو سے پیدا کرتا ہے۔ اس لئے اس میں اہنکار اور دلیری پیدا ہو جاتی ہے چالبازی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اپنے تعلق والوں سے نفع لینا وہ کمینہ پن سمجھتا ہے وہ اپنی کھیتی کے دھندے میں مست رہتا ہے۔ اور قدرت کے نظاروں سے اپنا د بہلاتا ہے۔ اپنے مویشیوں کو پالتا ہے دودھ دہی کھا کر بےفکری کے دن گزارتا اس کے دشمن اس کو کوتاہ اندیش کہتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کسان کی ذات بھ ہوتی ہے۔ وہ صاف بات کہتا ہے۔ اور صاف اور سیدھا جواب مانگتا ہے۔ ہیر کی باتیں نہ اس کو سمجھ آتی ہیں اور نہ ان کو پسند کرتا ہے۔ اپنے دشمنوں کو بندوں للکارتا ہے۔ اور جب بگڑ جائے۔ تو اپنی ہٹ پوری کر کے چھوڑتا ہے +

گھوگٹر بادل اور کسان کی آرزوئیں

خشک سالی پڑتی ہے۔ کسان کے لئے سب سے بڑی مصیبت آتی ہے کھیتی کھونے کے ساتھ ہی اس کی جان سوکھنے لگتی ہے۔ سورج بھگوان جو دوسرے وقتوں میں سہاونے لگتے ہیں۔ اور اپنی روشنی اور تیزی سے جگمگاہٹ پھیلاتے ہیں۔ خشک سالی میں کسان کے لئے سخت تشویش پیدا کرتے ہیں۔ سورج کی کرنیں نامعلوم مگر یقینی طریقہ پر کھیتی کی نمی کو کھینچتی رہتی ہیں۔ کسان بیچارہ کرے تو کیا کرے۔ خشک سالی قحط اور مصیبت کا رونا روتا ہے۔ اور بے صبری سے آسمان کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر دیکھتا ہے کہ آسمان میں کوئی بادل اٹھتا ہے یا نہیں۔ جب کوئی بادل اٹھا۔ اس نے دھی لہ اب برسا اب برسا۔ مگر آسمان موٹے موٹے بادلوں سے بھر جاتا ہے۔ جن کو پنجابی میں گھوگٹر بادل کہتے ہیں۔ اردو میں ہم ان کو نمائشی بادل کہہ سکتے ہیں۔ یہ بادل برستے تو نہیں۔ مگر ناواقفوں کے دل میں ڈھارس ضرور بندھاتے ہیں۔ ان بادلوں کا بھی کیا قصور ہے۔ اندر دیوتا نے جو بادلوں کے مالک ہیں۔ ان کو نمی عطا نہیں کی۔ بادل آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ منہ بھائیو کسان ایک بادل کے بعد دوسرے پر اور دوسرے کے بعد تیسرے پر اپنی اُمید باندھتا ہے۔ دن گنتے گنتے مہینہ اور مہینے گنتے گنتے سال گزر جاتا ہے۔ کھیتی برباد ہو جاتی ہے۔ عجب بے بسی کا عالم ہے۔ سورج اس کے اختیار اور کہنے سے باہر ہے۔ وہ اپنی تیزی کم نہیں کرتا۔ بادلوں کے آنے اور چلے جانے پر اس کا بس نہیں۔ وہ اتنے اونچے ہیں کہ کسان کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ وہ تو ایسے قانون کے تابع ہیں جس میں کسان کا دخل نہیں۔ وہ ایسی جگہ سے چلتے ہیں جہاں کہ اس کو پھٹکنا نہیں ملتا۔ اندر دیوتا ہی کرپا کریں تو کریں مگر اندر دیوتا کو کس طرح رجھایا جائے۔ یہ کسان کے لئے ایک معمہ ہے۔ اس کو فکرمند دیکھ کر خوش اعتقاد بھائی سمجھاتے ہیں کہ دیوتا ہمیشہ پرارتھناؤں سے پرسن ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود تو آسمان پر رہتے ہیں۔ مگر دنیا میں ان کے مندر بنے ہوئے ہیں۔ جن کے پجاریوں کی معرفت دیوتاؤں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ کسان بیچارہ اپنی ضعیف الاعتقادی سے ان کا کہنا مان لیتا ہے۔

اور اپنا تھوڑا بہت اثاثہ پجاریوں کے سپرد کر دیتا ہے - پراتھنائیں کرتا ہے یقین مانتا ہے مگر اندر دیوتا اپنی مرضی کے مالک ہیں کبھی تو بے وقت بارش کرتے ہیں - جس سے کھیتی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا - کبھی اتنی سخت بارش کرتے ہیں جس سے کھیتی بھی تباہ اور گھر بھی مسمار - کبھی بالکل بارش کرتے ہی نہیں - دیوتاؤں سے مایوس ہو کر بھولوں اور پرہتوں سے مطلب براری چاہتا ہے - اندر دیوتا کی لاپرواہی دیکھ کر کسان کا دل غصّہ سے بھر جاتا ہے - اور رہ رہ کر اس کے دل میں آرزو پیدا ہوتی ہے کہ یا تو میں خود اندر بن جاؤں یا کسی طرح اندر دیوتا میرے قابو میں آ جائیں تاکہ جب اور جتنی بارش درکار ہو برسا لیا کروں - پھر گھوگڑ بادل آسمان پر آنے نہ دوں گا - برسنے والے بادل عین وقت پر آ کر حسب ضرورت برسا کریں گے - اور میری مصیبت کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ ہو جائے گا +

لوگ اس آرزو پر ہنستے ہیں - مگر غریب کسان کا کیا قصور یہ آرزو نئی نہیں - پوران شاہد ہیں کہ اس قسم کی آرزوئیں کئی رشیوں کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہیں - اور انھوں نے اندر کی گدی چھیننے کا جتن کیا ہے - پورانوں میں مذکور ہے کہ جو شخص خاص تعداد یگیوں کی کرے گا یا خاص قسم کی تپسیا کریگا - وہ اندر کی گدی لے لیگا - بسوامتر نے تپ کیا اور قریب تھا کہ وہ اندر کی گدی لے لے - اندر دیوتا بھی بڑے چوکنے اور چالباز ہیں - انھوں نے مینکا نامی اپسرا (حور) کو آسمان سے بھیجا اور بھولے بھالے رشی اسکے جال میں پھنس کر تپ سے گر گئے - اور اندر نے اپنی گدی بچالی - راجہ بل نے بھی تپ کیا مگر اندر نے وشنو بھگوان کی مدد سے دھرم کے نام پر ان کو بھی روک لیا - راجہ دلیپ نے ۹۹ یگیہ کئے - سوویں یگیہ کے لیئے جب اشومیدھ گھوڑا چھوڑا تو اندر دیوتا اس کا گھوڑا ہی چرا کر لے گئے - راجہ دلیپ کے پسر رگھو نے جب یدھ کرنا چاہا تو اندر نے سوویں یگیہ کا پھل دیکر اپنی جان بچالی - غرضیکہ انیک کتھائیں اس قسم کی ہیں جن میں اندر نے ہر قسم کے ال چھل - دھوکا فریب دیکر اور بعض دفعہ دھرم کی اپیل کر کے اپنی گدی کے امیدواروں کو ٹال دیا - اور لطف یہ کہ دیوتاؤں کی لغت میں یہ سب کچھ جائز ہے -

اور دیوتاؤں کے لیڈر اندر کرتے ہیں۔ مگر ایک موقعہ پر اندر کو نیچا دیکھنا ہی پڑا۔ راجہ پرکشت کو تکشک ناگ نے ڈس لیا۔ اور ان کا دیہانت ہوگیا۔ جنمیجے ان کے پوتے کو نہایت غصہ آیا۔ اُنہوں نے سانپوں کی نسل کا خاتمہ کرنے کے لئے یگیہ کرنا شروع کیا۔ دنیا کے سب سانپ آگئے۔ مگر تکشک ناگ نہ آیا۔ پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ اندر نے اس کو اپنے سنگھاسن کے نیچے پناہ دے رکھی ہے۔ جنمیجے نے مطالبہ کیا کہ تکشک ناگ ہمارے حوالے کیا جائے۔ مگر اندر نے اس مطالبہ کی پرواہ نہ کی۔ اس پر جنمیجے کو غصہ آیا اور اُنہوں نے کٹھن تپ شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندر مع اپنے سنگھاسن اور تکشک ناگ۔ کے لڑھکتے ہوئے زمین پر آگرے۔ اور جنمیجے سے معافی مانگ کر اپنی جان چھڑائی۔ ناظرین اس مضمون کو یاد رکھیں بھول نہ جائیں۔ اس کا گہرا تعلق آیندہ مضمون سے ہے +

پولیٹکل کسان اور اس کی کھیتی

ہندوستان قدرتی طور پر زراعت کے لئے موزوں سرزمین ہے۔ اس لئے اس کی آبادی کا ۴/۳ حصّہ کاشتکاری پر گزارہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے باشندوں کی عادات اور خصلتیں کسانوں جیسی ہیں۔ ان کی ذات بھولی ہے۔ وہ دوسروں پر جلد اعتبار کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں سے نفع کمانا پاپ سمجھتے ہیں۔ وہ عادتاً اللہ توکل ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے انگریز بیوپاری قوم ہے۔ اس میں بیوپاریوں جیسی خصلتیں ملتی ہیں۔ وہ ہر ایک بیوپار میں نفع نکال لیتے ہیں۔ اپنے مطلب کے بڑے پورے ہوتے ہیں۔ اُن کی ذات بھی سیانی ہوتی ہے +

ہندوستان پر جب انگریزوں کا سایہ پڑا۔ تو یوروپین تجارت کے سورج کی جگمگاہٹ دیکھ کر یہ بھولا کسان بہت خوش ہوا۔ جب تک کھیتی میں نمی رہی یہ مست رہا۔ مگر یہ تجارتی سورج جب بے معلوم مگر یقینی طور پر ہندوستان کی خوشحالی کھینچتا رہا۔ جب کھیتی سوکھنے لگی۔ تو اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔ سورج کی تیزی کو کم کرنا اس کے اختیار سے باہر تھا۔ اس لئے منہ اُٹھا کر انگلستان کی طرف دیکھنے لگا کہ ایسا حاکم روپی بادل بھیج جو ہندوستان کی سوکھتی ہوئی جان کے لئے امرت برسا کرے۔ جب موجودالوقت والیسرائے

کچھ نہیں کرتا۔ تو ہندوستانی اس کے عہدے کی میعاد گننی شروع کر دیتے ہیں۔ ا
میعاد ختم ہونے کے قریب آتی ہے۔ اور نئے وائسرائے نامزد ہوتے ہیں۔ نامز
کے ساتھ ہی ہندوستانی ان کی جنم پتریاں کھولنی شروع کر دیتے ہیں۔ اور پیشینگوئی
جوتشیوں کو مات کر دیتے ہیں۔ فوراً اخباروں میں مضمون شائع ہونے شروع
ہو جاتے ہیں۔ جن کا نمونہ عام طور پر یہ ہوتا ہے "نئے وائسرائے جو تشریف لانے وا
ہیں وہ فلاں سنہ میں فلاں گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے باپ فلاں تھے
اور وہ یہ کام کیا کرتے تھے۔ ان کی ماں فلاں تھی۔ اس نے اپنے بیٹے کو خوب نیکو
تعلیم دی۔ یہ پہلے گاؤں کے پرائمری سکول میں پڑھے۔ پھر یونیورسٹی کا امتحان پا
کر کے بیرسٹر بنے۔ اور آہستہ آہستہ چیف جج ہوئے۔ جاپان میں سفیر بنے۔ افر
میں لڑائی لڑے۔ اب ہندوستان میں آتے ہیں۔ بڑے نیکدل اور شریف طبیعت
ہیں۔ لبرل پارٹی میں سے ہیں۔ ہندوستان کی حق رسی ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ" اخبار
گن گا چکتے ہیں۔ اور وائسرائے صاحب بمبئی میں وارد ہوتے ہیں۔ تو بمبئی انیسلیٹی ایڈر
پیش کرتی ہے۔ مسلمان۔ ہندو۔ سکھ۔ پارسی۔ جینی۔ غرضیکہ ایرا غیرا نتھو خیرا
سب اپنے اپنے ایڈرس نئے وائسرائے کی خدمت میں پیش کرتے ہیں +

چیتے کو سدھاتے ہوئے اپنی آنکھوں تو دیکھا نہیں مگر سننے میں آیا ہے

سدھانے والا چیتے کو سدھاتے وقت یہ کہنا شروع کرتا ہے۔ تو بڑا بہادر ہے۔ بہادر نسل
ہے تیرا باپ شیر تھا۔ تو جنگل کا مالک ہے۔ تو جانوروں میں راجہ ہے۔ تو نے کبھی
سے منہ نہیں موڑا۔ تو نے کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی
کو کہ سدھانے والا اپنے مطلب کے کرتب چیتے سے کراتا ہے۔ وائسرائے کے ایڈر
بھی اس قسم کے ہوتے ہیں۔ ایڈرس دینے والے تو سدھانے والے کا کام کر دیتے
مگر وائسرائے چیتا کرتب نہ کرتا ہے نہ کرنے سیکھتا ہے۔ وہ جواب میں اپنی آئندہ پا
نہایت پر اُمید الفاظ میں ظاہر کر دیتا ہے۔ ہندوستانی کسان خوش ہو جاتا ہے
یہ بادل ضرور برسے گا۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ گھوگھڑ یا

تھا۔ ایک وائسرائے سے مایوس ہو کر دوسرے پر اُمید باندھتا ہے۔ پہلے واقعات
تو بزرگ ہی جانتے ہونگے۔ ہم تو لارڈ کرزن کے وقت سے آج تک کی شہادت
دے سکتے ہیں۔ لارڈ کرزن پر بڑی بڑی اُمیدیں تھیں۔ ان سے خدا خدا کر کے
چھٹکارا ہوا۔ لارڈ منٹو کی تعریفیں کی گئیں۔ لارڈ ہارڈنگ کی مدح سرائی ہوئی۔
جب ان سے کچھ نہ بنا تو لارڈ چیمسفورڈ پر اُمید باندھی۔ مگر ان کا عہد رحمت کی بجائے
زحمت ثابت ہوا۔ اب لارڈ ریڈنگ تشریف رکھتے ہیں۔ اور جو آشائیں ان پر تھیں
وہ ملیا میٹ ہو چکی ہیں۔ یہی ضابطہ برتا جاتا ہے۔ ہندوستانی اُمید باندھنے سے
باز نہیں آتے اور وائسرائے مایوس کرنے سے نہیں چوکتے۔ مگر ہم کسی کو دوش نہیں
دیتے۔ دونوں ہی بے قصور ہیں۔ ہندوستانی کیا کریں۔ وائسرائے کو آنے سے
روک نہیں سکتے۔ اس کو واپس کرنے میں ان کا اختیار نہیں۔ ان کو تو ہندوستان
کے اندر دیوتا یعنی وزیر اعظم بھیجتے ہیں۔ وہی واپس بلاتے ہیں۔ وائسرائے بھی
کیا کرے۔ اس کو بھلائی کرنے کے اختیارات ہی نہیں۔ وزیر برطانیہ جو انہیں سمجھا کر
بھیجتا ہے وہی ہوتا ہے ٭

جملہ معترضہ

جس طرح آفات و برکات آسمانی کے متعلق نہ ہمارا مشورہ لیا جاتا ہے نہ ہمارا
اختیار ہے۔ بادل۔ بارشیں۔ اولے۔ آندھیاں۔ بھونچال آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں
ہم صبر اور جبر سے سہتے ہیں۔ اگر ان کا خاتمہ ہمارے فائدہ میں ہوا۔ تو اندر دیوتا کی
شکر گزاری کر دی۔ اور اگر بارش نے گھر گرا دیئے۔ آندھی نے درخت توڑ ڈالے۔ تو
اس کی جان کو بددعائیں دیکر بیٹھ گئے۔ ہندوستانیوں کو چاہیئے کہ وائسرائے کی
آمد کے وقت خاموش رہا کریں۔ ان کے عہد کے خاتمہ پر معلوم ہو جائیگا کہ وہ
آفت آسمانی ہے یا برکت رحمانی۔ پہلی صورت میں بددعائیں دیا کریں۔ اور پچھلی صورت
میں شکر گزاری کر دیا کریں۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ آگیا ٭
شنکر جی کا مطلب وائسرائے جی گھوگھو بادلوں سے کچھ نہیں بنا تو اندر روپی وزیر برطانیہ کو

رجھانے کی فکر ہوتی ہے۔ ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ آئینی پرارتھنائیں کرو وہ یہ ہیں کہ عرضداشتیں وائسرائے کی معرفت روانہ کرو۔ ڈیپوٹیشن لیکر وائسرائے کے پاس جاؤ۔ اور ان کو اپنی تکلیفات واضح کرو تاکہ وہ تمہاری سفارش انگلستان میں پہنچائیں اخباروں میں ایجی ٹیشن پھیلاؤ۔ انگلستان میں جاکر لیکچروں اور اخباروں کے ذریعہ انگلستانی دیوتاؤں کو بتلاؤ کہ ہم کس تکلیف میں ہیں۔ ہندوستانی کسان نے ایسا ہی کیا۔ گھر کا جو آٹا نہ تھا۔ وہ ان پر لگ گیا۔ چنانچہ کانگریس نے سالہا سال تک انگلستان میں اخبارات کے پرچار پر قریباً ایک لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کیا۔ بارہا ڈیپوٹیشن بھی وہاں گئے۔ مگر ڈھاک کے وہی تین پات۔ بیچ میں غدار اور قوم فروش نہ ذی بھوت پرتیوں نے اپنی بھینٹ لیں۔ مگر ہمارے اندر نے مطلقاً دھیان نہ دیا۔ اور دیں بھی کس طرح۔ وہ دیوتاؤں کے فواید کو کس طرح انسانوں کے لئے قربان کر دیں!!

البتہ جب کبھی ہندوستان کی دنیا میں انگریز دیوتاؤں کی طرف شردھا کم ہو جاتی ہے۔ اور ایجی ٹیشن اتنا بڑھ جاتا ہے کہ ان کی پوجا کرنی ہندوستانی چھوڑنے لگتے ہیں۔ تو ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اندر دیوتا ایک چال چلتے ہیں جس کو ہم کمیشن چال کہہ سکتے ہیں۔ فوراً اعلان ہو جاتا ہے کہ فلاں دکھ کی تحقیقات کے لئے شاہی کمیشن مقرر کی جاوے گی۔ جو اپنی رپورٹ معہ سفارشات کے شاہی گورنمنٹ کو پیش کرے گی۔ ہندوستانی کسان کی توجہ ایجی ٹیشن سے ہٹ کر کمیشن کی طرف لگ جاتی ہے کمیشن چلتی ہے۔ شہادتیں لی جاتی ہیں۔ رپورٹ تیار ہوتی ہے۔ اور کبھی سالوں کے بعد اس کی سفارشات اخباروں میں چھپ جاتی ہیں۔ ہندوستان ان سفارشات پہ لٹو ہو جاتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ بس اس تکلیف کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر ان کو ماننا اور عمل میں لانا دیوتاؤں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہندوستان کے پلے تو یہ پڑتا ہے کہ آیندہ ۵۰ سال تک ہندوستانی اس کے حوالے دے دیکر گورنمنٹ کی توجہ دلاتا رہتا ہے۔ لارڈ میو کے وقت کی سفارشات کے حوالے اب تک دیئے جاتے ہیں۔ کمیشن چال کے بڑے فائدے ہیں۔ انگریزوں کو تنخواہیں مل جاتی ہیں۔ انگریزی جہازوں کو کرایہ مل جاتا ہے۔ انگریز

...ا پیے خانے والوں کو چھپائی کا کام مل جاتا ہے۔ دنیا کی نظر میں دھول پڑ جاتی
...۔ گورنمنٹ کا پاپ پن ہو جاتا ہے۔ افسروں کی بے ایمانیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔
...عیف الاعتقاد ہندوستانی کا رنج تو اعلان کے ساتھ ہی رفو چکر ہو جاتا ہے۔ دوسرے
...م و غصہ کمیشن کی سفارش پر غلط ہو جاتا ہے۔ پبلک کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ وہ
...ٹیشن کرنیوالوں کا ساتھ چھوڑ بیٹھتی ہے۔ اور انگریزوں کی پوجا پھر شروع ہو جاتی
...۔ لیکن اگر اس چال میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی۔ تو ایک دوسری چال چلی
...تی ہے۔ جس کو ہم شاہی چال کہہ سکتے ہیں۔ شطرنج کی کھیل میں وزیر بڑا زبردست
...ہرا گنا جاتا ہے۔ ہر قسم کی چال چل سکتا ہے۔ بادشاہ صرف ایک گھر چلتا ہے۔
...ایک طرح سے نکما موہرہ ہوتا ہے۔ مگر بعض دفعہ موہرے لڑ چکنے کے بعد وزیر اکیلا
... نہیں کر سکتا۔ ایسے موقعہ پر وزیر کی امداد کے واسطے بادشاہ کو لاتے ہیں۔ اور وزیر
...شاہ کی مدد سے بازی جیتنے میں کامیاب ہو جاتا ہے +

خبردار! نیا بادل اُٹھنے والا ہے

تقسیم بنگال کا ایجی ٹیشن جب کسی طرح بند نہ ہوا۔ تو شاہی چال چلی گئی۔ بادشاہ کو
...وستان میں لایا گیا۔ اور ان کے منہ سے تقسیم بنگال رد کرائی گئی۔ ایجی ٹیشن بند ہو گیا
بازی جیتی گئی۔ رولٹ ایکٹ کا ایجی ٹیشن جب بند نہ ہوا۔ تو ڈیوک آف کناٹ بادشاہ
...چچا کو حرکت دی گئی۔ وہ ایک منتر لیکر آئے۔ اور اس کا جپ ہندوستانیوں کو بتلا
...۔ "forget and forgive" "بھول جاؤ اور
...ف کر دو"۔ مگر عدم تعاون کے پرچار پر اس منتر کا جادو نہ چلا۔ تو شہزادہ ویلز کو حرکت
... گئی۔ اب دیکھئے۔ یہ شاہی چال کیا نتیجہ پیدا کرتی ہے +

بالفعل تو گورنمنٹ ہاؤس سے یہ صدا آتی ہے۔ "ہندوستانیو! خبردار افق میں نیا
...ل اُٹھنے والا ہے۔ اس کے استقبال کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ ان شاہی چالوں
...بڑے فائدے ہیں +

(۱)۔ انگریزوں کے لئے نئی اسامیاں عارضی طور پر نکل آتی ہیں (۲)۔ انگریزی

جہازوں کو کرایہ مل جاتا ہے۔ (۳) گورنمنٹ کے رعب داب کی نمایش ہو جاتی ہے۔ (۴) شاہی مہمان اور ان کا قافلہ ہندوستانی روپیہ پر جشن اڑاتے ہیں۔ (۵) ریاستوں کی بہانہ بہانہ میں حجامت ہو جاتی ہے۔ (۶)۔ انگریزی مال کی خوب کھپت ہوتی ہے اور کئی لاکھ روپیہ انگریز دستکاروں اور تجاروں کے گھر پہنچ جاتا ہے (۷) ہندوستانی (؟)ں میں ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ کیونکہ ہندوستانی اپنے پورانے خیالات کے معتقد ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کی زبان سے جو لفظ نکلتے ہیں وہ سچے ہوتے ہیں وہ جو چاہے کسی کو بخش دے۔ وہ اپنی رعایا کے دُکھ کو دُور کر سکتا ہے۔ سرکاری ملازم اس کے حکم کی تعمیل بے چون و چرا کرینگے۔ شہزادہ ویلز کی نسبت اچھے اچھے سمجھدار ہندوستانی بھی یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ شہزادہ ویلز اپنے باپ کو ہندوستان کا دکھیا حال سنا دینگے۔ اور بادشاہ سلامت فوراً شاہی اعلان کے ذریعہ اس دکھ کا نوارن کر دینگے۔ یہ تمام خیالات اور اُمیدیں ہندوستانی بادشاہوں کی روایات اور زبان زد قصوں کی بنا پر باندھی جاتی ہیں +

بھگوان کی مورتی

ہندوستانی بچاروں کو کیا معلوم کہ انگلستان کے بادشاہ شطرنجی بادشاہ ہیں۔ ان کو حرکت دینے والے وزیر برطانیہ ہیں۔ جو اعلان وزرا تیار کر کے ان کو دینگے وہ پڑھ کر سُنا دینگے۔ کوئی لفظ اپنی مرضی سے زبان سے نہیں نکال سکتے۔ اس لحاظ سے وہ اپنے وزیروں کے گراموفون کا کام دیتے ہیں۔ خزانہ پر ان کو مطلق کوئی اختیار نہیں۔ ان کو اور اُن کی اولاد کو مقررہ وظیفہ ملتا ہے۔ انتظام سلطنت میں اُن کو قطعی کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اُن کے وزرا تمام کام کرتے ہیں۔ بعض بعض کاغذات پر بادشاہ سلامت کے دستخط بطور ضابطہ کے کرائے جاتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ ان پر دستخط کرنے سے وہ انکار نہیں کر سکتے۔ انکے وزیر پولیٹیکل کاموں میں جب ان کو کھڑا ہونے کو کہیں وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب بٹھانا چاہیں وہ بیٹھ جاتے ہیں۔ جب جب اور جتنا بولنے کو کہیں وہ بول دیتے ہیں۔ جب وہ چاہیں چپ ہونا پڑتا ہے۔ جو وعدے اُن کی زبان مبارک سے کرا دیں وہ

کر دیتے ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے وہ ہرگز اخلاقاً ذمہ وار نہیں ہیں۔ بادشاہ انگلستان
تو اپنی مرضی کے مطابق شادی بھی نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ادنےٰ سے ادنےٰ انگریز کو
اس بارہ میں پوری آزادی حاصل ہے۔ بادشاہ انگلستان کے اختیارات اور حالات کا پتہ
لگانا ہو تو بندرابن کے مندروں میں بھگوان کی مورتی جا کر دیکھ لو۔ بڑی بڑی جاگیریں
مندروں کے نام لگی ہوئی ہیں۔ لنگر چلتے ہیں۔ بھوگ تیار کیا جاتا ہے۔ اور لگایا جاتا
ہے۔ عالیشان عمارات بنی ہوئی ہیں۔ ناچ رنگ تماشے ہوتے ہیں۔ میلے لگتے ہیں
لاکھوں روپیہ آتا ہے اور خرچ ہوتا ہے۔ یاتری لوگ دور دور سے درشن کرنے آتے
ہیں۔ اور آشا کرتے ہیں کہ بھگوان کی مورتی ان کے دکھ نوارن کر دیگی۔ جو اختیار اور
درجہ بھگوان کی مورتی کا مندروں کے معاملات میں ہے۔ وہی بادشاہ انگلستان کا
اپنی سلطنت میں ہے۔ وہ تو سچ مچ بھگوان کی مورتی ہیں۔ ان کے وزیر پجاریوں
کے فرائض سرانجام دیتے ہیں +

جب بادشاہ کے اختیارات کا یہ حال ہے تو پرنس آف ویلز کے اختیارات کا
ناظرین خود اندازہ لگا لیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان تشریف کیوں لاتے
ہیں۔ قوم پرستوں کا خیال ہے کہ نوکر شاہی کے رعب داب کو قائم رکھنے کے لئے
آتے ہیں۔ مگر وائسرائے نے اپنی تقریر ۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں فرمایا ہے کہ وہ بطور سلطنت کے
نمایندے کے نہیں آتے۔ بلکہ بادشاہ کے بیٹے کی حیثیت میں ہندوستان کے مہمان
ہو کر آتے ہیں۔ وائسرائے صاحب کا منطق لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ اچھا مہمان
ہے جو بن بلائے چلا آتا ہے۔ وہ بھی اپنے خرچ پر نہیں۔ بلکہ میزبان کے خرچ پر۔ اور
ایسے وقت میں جبکہ میزبان کے گھر ماتم ہے۔ اور وہ بانگ دہل پکار پکار کر کہہ رہا
ہے کہ میرے گھر تشریف نہ لائیے۔ مجھ میں تواضع کرنے کی توفیق ہی نہیں۔ میں خود
بھوکا ہوں۔ دس روپیہ فی من گندم بک رہی ہے۔ خدا کے واسطے کوئی اور میزبان تلاش
کیجئے۔ مہمانی اور میزبانی برابر والوں کی ہوتی ہے۔ میں نے کبھی آپ کی دوستی کا دعویٰ
نہیں کیا۔ اور آپ نے بھی کبھی اظہار ہمدردی نہیں کیا۔ انگلستان جنت نشان ہے ہر قسم کا



شہنشاہِ معظّم جارجِ پنجم

آرام دیا ہے۔ ہندوستان گلا سڑا وحشی ملک ہے۔ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ ٹکیے، ٹھہرو۔ یہ جھگڑا کیوں اور کاہے کو کرتے ہو۔ سلطنت کا نمایندہ کہیے۔ بادشاہ کا بیٹا کہیے۔ ہمارا ناخواندہ مہمان کہیے۔ نام سے اصلیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شطرنجی موہرے کو پیادہ کہیے۔ وزیر کہیے۔ شہزادہ کہیے۔ بادشاہ کہیے۔ چال تو کھلاڑی نے چلنی ہے۔ ہم تو دم بخود ہیں۔ کوئی رائے قایم کرنا غلطی ہے۔ جب پرنس آف ویلز واپس تشریف لے جاوینگے تو ہم بتلا سکیں گے کہ یہ نیا بادل گھوگھر تھا یا ابر رحمت۔ اور اندر دیوتا کی اس میں کیا مصلحت تھی۔ سردست تو اتنی سوجھتی ہے کہ جو روپیہ شہزادہ ویلز کے استقبال میں خرچ ہوگا۔ وہ اگر سستے اناج کی دوکانیں کھولنے میں خرچ کیا جائے تو بہتر ہوگا +

ولایتی عرق اور عمارات قدیمہ

ہمارے ناظرین میں سے جو صاحب برطانیہ کے طرز حکومت سے واقف ہیں۔ وہ اندر دیوتا کے اختیارات کے بارے میں ہمارے بیان کی صداقت کی شہادت دیں گے۔ ناواقف اصحاب کے لیے مختصر الفاظ میں انگلستان اور ہندوستان کی طرز حکومت کا نقشہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا +

انگلستان کی حکومت کے ۳ جز ہیں (۱) بادشاہ (۲) ہاؤس آف لارڈس۔ (امیروں کی کونسل)۔ (۳) ہاؤس آف کامنز (عام لوگوں کی کونسل) بادشاہ کا عہدہ موروثی ہے۔ باپ کے بعد اس کا بڑا بیٹا گدی پر بیٹھتا ہے۔ ہاؤس آف لارڈس کے ۵۴۵ ممبر ہیں۔ راجے۔ نواب اور بڑے بڑے جاگیردار و امیر و پادری اس کے ممبر ہوتے ہیں۔ اور تمام ممبر بادشاہ نامزد کرتا ہے۔ ان میں سے بعض کی موروثی اور بعض کی تاحیات نامزدگی ہوتی ہے۔ ہاؤس آف کامنز کے ۷۰۷ ممبر ہیں۔ اور ان سب کو بذریعہ انتخاب رعایا مقرر کرتی ہے۔ یہ رعایا کے حقیقی نمایندے ہوتے ہیں +

قدرتی قاعدہ ہے کہ رعایا ان اشخاص کو منتخب کیا کرتی ہے جو اس کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچا سکیں۔ اور قوم کے شیدائی ہوں۔ پس ہاؤس آف کامنز کے ممبر تمام

انگلستان کی آبادی کا نچوڑ ہیں۔ جو ہر حالت میں انگلستان کی بھلائی اور اپنی قوم کا فائدہ
چاہنے والے ہوتے ہیں۔ کوئی زمانہ تھا جبکہ انگلستان میں رعایا اور بادشاہ کے درمیان
بادشاہ کے اختیارات پر لڑائیاں ہوئیں۔ رعایا کی فتح ہوئی۔ بادشاہ چارلس اول کو رعایا کی
عدالت سے ۱۶۴۹ء میں پھانسی کی سزا ملی۔ اور رعایا کا جرنیل آلیور کرام ویل حکمران
مقرر کیا گیا۔ کرام ویل کی وفات پر نئے حکمران کے انتخاب پر گڑبڑ ہوئی۔ آخر فیصلہ ۱۶۶۰ء
میں یہ ہوا کہ بادشاہ چارلس اول کے بیٹے چارلس دوم کو بادشاہ بنا دیا جاوے۔ مگر
بادشاہی اختیارات کم کر دیئے جاویں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعد ازاں ۱۶۸۸ء اور اسکے
بعد کے واقعات نے بادشاہ کے اختیارات اور بھی کم کر دیئے۔ اور موجودہ وقت میں
بادشاہ انگلستان پر قینچ کبوتر کی مانند ہے۔ زمانہ دراز سے پارلیمنٹ میں دو قسم کے لوگ
ہیں۔ ایک کنسرویٹوز (پرانے خیالات والے) اور دوسرے لبرل (آزاد خیال)۔
پارلیمنٹ کے انتخاب کے موقعہ پر دونوں پارٹیوں کے امیدوار رائے دہندگان
کو اپنی اپنی پارٹی کی حکومت کے فائدے جتلاتے ہیں۔ اور رائے دہندگان سے
اقرار کرتے ہیں کہ اگر ان کی پارٹی کی حکومت ہوئی تو وہ انگلستان کے فائدے اور
بھلائی کے واسطے فلاں کام کریں گے۔ فلاں خدمت انجام دینگے۔ دوسری پارٹی میں
یہ نقص ہیں اور وہ نقص ہیں۔ القصہ انتخاب میں جس پارٹی کی کثرت ہو جاوے۔ وہ
گورنمنٹ پارٹی کہلاتی ہے۔ دوسری مخالف پارٹی کہلاتی ہے۔ انتخاب ہونیکے بعد
پہلا کام جو گورنمنٹ پارٹی کرتی ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا لیڈر منتخب کرکے اسے بادشاہ
کے روبرو وزارت کے واسطے پیش کرتی ہے۔ اور اگرچہ انکی تقرری بادشاہ کے
دستخطوں سے ہوتی ہے۔ مگر یہ ایک محض ضابطہ ہے۔ بادشاہ سلامت اس کو نامنظور
کر ہی نہیں سکتے۔ اور یہ شخص وزیر اعظم کہلاتا ہے۔ اور عموماً وزیر خزانہ کے فرائض
انجام دیتا ہے۔ اپنی تقرری ہوتے ہی وزیر اعظم اپنے موافق رائے رکھنے والے
اشخاص کو۔ لارڈ پریوی سیل۔ لارڈ چانسلر۔ فسٹ لارڈ آف ایڈمیرلٹی۔ چانسلر آف
اکسچیکر۔ وزیر نو آبادی۔ وزیر جنگ۔ وزیر خارجہ۔ وزیر معاملات اندرونی اور وزیر ہند

نامزد کرکے بادشاہ سے ان کی تقرری منظور کراتا ہے۔ یہاں بھی بادشاہ سلامت بے بس ہوتے ہیں۔ اور انہیں دستخط کر دینے کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ یہ سب ملکر مجلس وزراء (Cabinet) کہلاتے ہیں۔ اور تمام انتظام حکومت ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ معمولی معاملات میں اپنے اپنے محکمہ کا انتظام ہر ایک وزیر کامل اختیارات اور آزادی سے کرتا ہے۔ پیچیدہ اور ضروری معاملات مجلس وزراء میں زیر صدارت وزیر اعظم پیش ہو کر فیصلہ پاتے ہیں۔ مجلس وزراء کے اجلاس نہایت پوشیدہ اور سخت پہرہ لگا کر کئے جاتے ہیں۔ اور دنیا کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہاں کیا بحث ہوتی ہے۔ اور ہر وزیر کیا کہتا ہے۔ مجلس وزراء کا فیصلہ بادشاہ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ اور بادشاہ اس پر دستخط کر دیتے ہیں۔ اور چون و چرا نہیں کر سکتے۔ جس وزیر کی وزیر اعظم سے نہ بنے۔ اس کو استعفا دینا پڑتا ہے حقیقت یہ ہے کہ وزیر اعظم حکومت برطانیہ کا اندر دیوتا ہے۔ وزیر کو مقرر کرنا اور برخاست کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ جنگ اور صلح اس کے بس میں ہے۔ وائسرائے اور گورنر نامزد کرنا۔ اور ان کو واپس بلانا اس کا کام ہے۔ غیر ملکوں سے جیسے تعلقات چاہے رکھ سکتا ہے۔ جب تک ہاؤس آف کامنز کا اعتبار اس پر قائم رہتا ہے۔ اس کو اپنے عہدے سے کوئی ہلا نہیں سکتا۔ بادشاہ تو ہندو بھگوان کی مورتی ہوتے ہیں۔ اور وزیر اعظم مندر کے پوجاری کی طرح سب کچھ کرتا دھرتا ہے۔ مگر بھگوان کے نام پر اور بظاہر ان کی طرف سے۔ جس طرح کچہری کا اہلکار عدالت کی مہر کو جس کاغذ پر چاہتا ہے لگا لیتا ہے۔ اسی طرح وزیر اعظم جس کاغذ پر چاہے بادشاہی دستخط کرا لیتا ہے یہاں تک کہ بادشاہ سلامت اپنے اور اپنے عزیز و اقربا کے خلاف حکموں پر دستخط کرنے سے انکار نہیں کر سکتے۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ چارلس اول کو اپنی مرضی کے خلاف اپنے منظور نظر ارل آف سٹیفورڈ کے وارنٹ قتل پر دستخط کرنے پڑے۔ ملکہ الزبتھ کو اپنی بہن ملکہ میری اور اپنے پیارے ارل آف لیسٹر کے وارنٹ قتل پر دستخط کرنے پڑے۔ ملکہ الزابتھ ارل آف لیسٹر کے غم میں خود تو مر گئی۔ مگر اندر دیوتا کے حکم سے

سر نہ پھیر سکی۔ اسی لیے برطانیہ کے پالٹیکس کا مقولہ ہے کہ بادشاہ کوئی برائی نہیں کرسکتا۔ King can do no wrong ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ حقیقت حال زیادہ واضح اور صاف ہوتی۔ اگر یہ مقولہ اس طرح پر ہوتا کہ بادشاہ کوئی برائی یا بھلائی نہیں کرسکتا ؛

مجلس وزرا ہستی میں آتے ہی بجٹ سالانہ تیار کرکے ہاؤس آف کامنز میں پیش کرتی ہے۔ اس بجٹ پر بحث ہوتی ہے۔ مخالف پارٹی بھی خوب نکتہ چینی کرتی ہے۔ بجٹ پاس ہونیکے بعد ایک کمیٹی بیٹھتی ہے۔ جس کو کمیٹی ways and means (کمیٹی ذرایع) کہتے ہیں۔ یہ کمیٹی خرچ منظور شدہ کے لئے آمدنی کے ذریعے تجویز کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر ٹیکس لگانے کی تجاویز بتلاتی ہے۔ اور اگرچہ مالگذاری۔ اسٹامپ۔ کورٹ فیس۔ آبکاری وغیرہ ہندوستان کی طرح انگلستان میں مستقل آمدنیاں ہیں۔ تاہم ان کی منظوری ہر سال انگلستان میں پارلیمنٹ سے لی جاتی ہے۔ بجٹ منظور ہوچکنے کے بعد انتظامیہ افسران رعایا سے مالگذاری ٹیکس وغیرہ وصول کرتے ہیں۔ یہ تمام روپیہ پہلے خزانہ سرکاری میں جمع ہوتا ہے۔ جہاں سے ہر روز اس روپیہ کو کنٹرولر جنرل بنک آف انگلینڈ میں لے جاتا ہے۔ یہاں پر گیا ہوا روپیہ سوائے کنٹرولر جنرل کی منظوری کے برآمد نہیں ہوسکتا۔ کنٹرولر جنرل کا عہدہ بھی عجیب ہے۔ جبتک ہاؤس آف کامنز۔ ہاؤس آف لارڈس اور بادشاہ تینوں متفق نہ ہوں یہ برخاست نہیں ہوسکتا۔ اس لئے یہ کسی سے دبتا نہیں۔ اور سب کو دبا بتلاتا ہے چنانچہ بادشاہ جارج سوئم کے عہد کا ذکر ہے کہ فرانس سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ وزیر اعظم نے فوج کے لئے روپیہ مانگا۔ کنٹرولر جنرل نے کہا کہ بادشاہ کے دستخط دکھلاؤ۔ بادشاہ کو دیوانگی کا دورہ آیا ہوا تھا۔ اور وہ بیہوش تھے۔ وزیر اعظم نے بہتیرا یقین دلایا کہ بادشاہ کو ہوش آتے ہی دستخط کرادوں گا۔ بامید منظوری روپیہ دیدو ضمانت لے لو۔ فرانس میں فوج کٹ رہی ہے۔ ایک ایک دن بھاری ہو رہا ہے۔ قوم پر مصیبت کا وقت ہے۔ مگر کنٹرولر جنرل نے ایک نہ مانی۔ انگریزی فوج کی قسمت

اچھی تھی۔ اگلے روز بادشاہ کو ہوش آگئی۔ اور دستخط ہوگئے۔ یہ عمدہ دار بڑا سخت
ضابطے خان ہوتا ہے۔ القصہ خرچ کے منظور کرنے اور ٹیکس کے لگانے میں صرف
ہاؤس آف کامنز کا اختیار ہوتا ہے۔ بادشاہ یا ہاؤس آف لارڈس کا اس سے تعلق
نہیں ہوتا۔ اور یہی طاقت ہے جو رعایا کے ہاتھ میں ہے۔ اور جس سے بادشاہ اور
اُس کے اہلکار قابو میں رہتے ہیں۔ البتہ قانون سازی کے متعلق ہاؤس آف لارڈس
اور بادشاہ کی منظوری لینی پڑتی ہے۔ لیکن اگر ہاؤس آف کامنز بضد ہو جاوے تو
ہاؤس آف لارڈس اور بادشاہ کو جبراً قہراً منظوری دینی پڑتی ہے۔ طریق اس کا
یہ ہے کہ مسودہ قانون مجلس وزرا کی طرف سے ہاؤس آف کامنز میں پیش کیا جاتا ہے
وہاں پر اس کی ۳ خواندگی ...... readings ہوتی ہیں۔ جب یہ
تینوں مرحلے طے کر کے پاس ہو جاتا ہے تو ہاؤس آف لارڈس میں پیش ہوتا ہے۔
اگر وہاں پر نامنظور ہو جاوے تو مسودہ قانون گر جاتا ہے۔ لیکن اگر ہاؤس آف کامنز
اصرار کرے۔ اور ۳ دفعہ مسودہ کو پاس کر کے بھیجدے۔ اور ہاؤس آف لارڈس ہر
دفعہ نامنظور کر دے تو ایسی حالت میں سنہ ۱۹۱۱ء سے پہلے تو یہ قاعدہ تھا کہ وزیراعظم
بادشاہ کو صلاح دیتا تھا کہ نئے لارڈ اتنی تعداد میں بنا دو کہ کثرت رائے سے مسودہ
قانون کو پاس کرنے کے لئے کافی ہوں۔ ساری تاریخ انگلستان میں صرف ۲، ۳ دفعہ
ایسا واقعہ ہوا ہے کہ بادشاہ نے نئے لارڈ قانون پاس کرانے کی غرض سے بنائے ہوں
لیکن سنہ ۱۹۱۱ء میں ایک ایکٹ پاس ہوا ہے۔ جس کے رُو سے اگر کسی مسودہ کو ۳ دفعہ
ہاؤس آف کامنز پاس کر دے تو وہ قانون بن جاتا ہے۔ ہاؤس آف لارڈس کی منظوری
کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور بادشاہ اپنی منظوری کے دستخط کر دیتے ہیں۔ اگر بادشاہ
سلامت وزیراعظم کا کہنا نہ مانیں یا دستخط کرنے سے انکار کریں۔ تو وہ اپنا استعفےٰ داخل
کرنیکی دھمکی دیتا ہے۔ اگر وزیراعظم استعفےٰ دیدے تو تمام وزارت مستعفی ہو جاوے گی۔
اور بادشاہ کو نئی وزارت قائم کرنی پڑتی ہے۔ نئی وزارت مخالف پارٹی کی چل ہی
نہیں سکتی۔ کیونکہ بجٹ کثرت رائے سے نامنظور ہو جاوے گا۔ اور گورنمنٹ کا کام

بلا روپیہ کے ایک دن بھی چل نہیں سکیگا۔ اندریں حالات بادشاہ کو قہراً جبراً کثرت
رائے والی پارٹی کا وزیر رکھنا پڑتا ہے۔ اور جو ناچ وہ نچوائے ناچنے پڑتے ہیں
وزارت کے اختیارات کا گر ہاؤس آف کامنز کے اعتبار میں ہونا ہے۔ اس کی علامت
یہ ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے جو ریزولیوشن یا قانون وغیرہ پیش ہوں وہ کثرت رائے
سے پاس ہو جاویں۔ جب کثرت رائے گورنمنٹ کے خلاف ہو۔ تو سمجھو کہ ہاؤس آف
کامنز کا اعتبار وزارت پر نہیں رہا۔ ایسی حالت میں یا تو وزارت مستعفی ہو جاتی ہے
یا بادشاہ سے موجود الوقت پارلیمنٹ کو برخاست کروا کر نئی پارلیمنٹ بنوائی جاتی
ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ صرف پارلیمنٹ کے ممبروں کی کثرت ہی وزارت کے
خلاف ہے یا ملک کی کثرت رائے بھی برخلاف ہے اگر نئی پارلیمنٹ کے ممبروں کی کثرت بھی
وزارت کے خلاف ہو تو مستعفی ہونے کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں رہتا +

پارلیمنٹ کی ساخت کو ہم عطاروں کی زبان میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ
پارلیمنٹ کے ممبر انگلستان کی بھلائی چاہنے والوں کا عرق ایک آتشہ۔ وزارت کے
ممبر عرق دو آتشہ اور وزیر اعظم عرق سہ آتشہ ہوتے ہیں۔ یہ امر ناظرین کو بخوبی ذہن نشین
کر لینا چاہیئے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر بادشاہ اور ہاؤس آف لارڈس
ایسے ہی بے اختیار ہیں۔ تو ان کو قایم کیوں رکھا ہوا ہے۔ اور ان کو علیحدہ کیوں نہیں
کر دیا جاتا۔ آپنے دیکھا ہو گا کہ گورنمنٹ پورانی عمارات کی حفاظت اور نگرانی کرتی ہے
ان پر سالانہ خرچ بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ ان عمارات کا گورنمنٹ کوئی استعمال نہیں
کرتی۔ یہ تاریخی دلچسپی کے نقطۂ خیال سے قایم رکھی جاتی ہیں کہ پورانے زمانہ میں
عمارات کا یہ نمونہ تھا۔ اس قسم کی کاریگری تھی۔ بنوانے والا فلاں بادشاہ تھا۔
بادشاہ انگلستان پورانی عمارات کی طرح تاریخی مطالعہ کا موقعہ انگریز بچوں کو مہیا
کرتے ہیں۔ اور ہندوستان کے لئے بھگوان کی مورتی کا کام دیتے ہیں۔ ان کو
بہلانے کے لئے بادشاہ کے منہ سے اعلان کروائے جاتے ہیں۔ رسمیات ادا
کروائی جاتی ہیں۔ سلطنت کے جاہ و جلال کی نمایش کروائی جاتی ہے۔ غرضیکہ

بادشاہ سلامت نقصان تو کوئی کرتے ہی نہیں - وہ تو عمارت قدیمہ ہیں - ان کی ذات سے انگلستانی پوجاری کبھی نہ کبھی فائدہ اُٹھا ہی لیتے ہیں - چنانچہ حال ہی میں ہی لارڈ ہارڈنگ نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ شہزادہ ویلز ہندوستان میں سلطنت کے نمایندہ کی حیثیت سے نہیں آتے - بلکہ بادشاہ سلامت کے فرزند ارجمند کی حیثیت سے آتے ہیں - اور چونکہ بادشاہ کی ذات پاک اور پالیٹکس سے بالا ہوتی ہے - اس لیے انکے استقبال میں سب کو شامل ہونا چاہیے - اسی اپیل سے کئی بھلے مانس پھسل گئے ہیں ٭

ہاؤس آف لارڈس کی اب حیثیت محض ایک صلاح کار بھائی کی سی رہ گئی ہے جس طرح چھوٹا بھائی اپنے گھر کے معاملات میں بڑے بھائی کی صلاح لے لیتا ہے اور اس کے تجربہ سے بعض دفعہ اس کو فائدہ پہنچ جاتا ہے - اسی طرح ہاؤس آف کامنز بھی ہاؤس آف لارڈس کے بحث مباحثہ سے بعض دفعہ فائدہ اُٹھا لیتا ہے - ایکٹ سنہ ۱۹۱۱ء نے ہاؤس آف لارڈس کے اختیارات کا بالکل خاتمہ کر دیا ہے ٭

ہندوستان کل کہاں تک جاتی ہے؟

ہندوستان کی حکومت کے انچارج وزیر ہند ہیں - ان کے ماتحت والیسرائے ہند اور والیسرائے کے ماتحت صوبوں کے گورنر ہوتے ہیں - جن کی تقرری برخاستگی مجلس وزراء یا بادشاہ کے دستخطوں سے کرتی ہے - بعض چھوٹے صوبوں کے انچارج لفٹنٹ گورنر اور چیف کمشنر ہیں - جن کی تقرری مجلس وزراء اور بعض دفعہ وزیر ہند کرتے ہیں - جو پارٹی انگلستان میں برسر حکومت ہوتی ہے - اسی کے ہمخیال و ہمدرد ہندوستان میں والیسرائے - گورنر - لفٹنٹ گورنر وغیرہ بن کر آتے ہیں - دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو پارٹی انگلستان کی بھلائی کرنے میں سب سے زیادہ قابل اعتبار ہو - اس کے آدمی ہندوستان کے حکمران ہوتے ہیں - یا یوں کہیے کہ انگریزی قوم کے فائدے کے شیدائی ہندوستان کے حکمران بن کر آتے ہیں - یہ وہ اصول ابتدائی اور بنیادی سچائی ہے - جس پر حکومت ہند کا دارومدار ہے - ہندوستانی معاملات پر غور کرتے ہوئے ہندوستانیوں کو یہ امر اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیے ٭

ہندوستان کے نئے دورِ حکومت میں انتظامِ جدید کے رُو سے صوبہ کے گورنروں کو انتظامیہ اور قانونی کونسلیں اور وزیر دیئے گئے ہیں۔ سلطنت کے کاروبار کو دو حصوں پر بانٹا گیا ہے۔ ایک حصہ کا نام صیغہ ہائے مخصوص ہے۔ جس کا انتظام انتظامیہ کونسل کے سپرد ہے۔ دوسرا حصہ صیغہ ہائے منتقلہ کہلاتے ہیں۔ جن کا انتظام وزیروں کے سپرد ہے۔ وزیر ہمیشہ ہندوستانی ہونگے۔ کونسے صیغے مخصوص اور کونسے منتقلہ ہیں۔ اس کی تفصیل ہر صوبہ میں جداگانہ ہے۔ پنجاب میں فوج۔ پولیس۔ ریل۔ تار۔ ڈاکخانہ۔ عدالتیں۔ نہر۔ محکمہ مال۔ صیغہ مخصوص ہیں۔ تعلیم۔ زراعت۔ صنعت۔ آبکاری میونسپل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ صیغہ ہائے منتقلہ ہیں۔ انتظامیہ کونسل میں اگرچہ ہندوستانی ممبر بنائے گئے ہیں لیکن کثرت انگریزوں کی ہے۔ ہر ایک ممبر کے سپرد کوئی نہ کوئی محکمہ ہوتا ہے۔ معمولی کاروبار ممبر انچارج بھگتا تا رہتا ہے۔ پیچیدہ اور ضروری معاملات کونسل انتظامیہ میں زیرِ صدارت گورنر پیش ہو کر فیصلہ پاتے ہیں۔ اس کے اجلاس بالکل خفیہ ہوتے ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کسی معاملہ میں ممبروں کی جداگانہ رائے کیا تھی۔ دنیا کے سامنے تو گورنمنٹ کا فیصلہ بحیثیت مجموعی پیش کیا جاتا ہے۔ انگلستان کے مجلس وزرا کی طرح اگر کسی ممبر اگزیکٹو کونسل کا باقی ممبروں سے پالیسی کے متعلق اختلاف رائے ہو تو اس کے لئے سوائے مستعفی ہونے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ مسٹر سنکرن نایر نے پنجاب میں مارشل لا جاری کرنے اور سلطنت کی عام پالیسی کے متعلق اختلاف رائے رکھنے کی بنا پر استعفا دے دیا تھا۔ اور اب مسٹر رحمت اللہ اور مسٹر بھیتل واد کے استعفے کی وجہ ہے کیونکہ ان کو مولانا محمد علیؒ کی گرفتاری کی پالیسی سے اتفاق نہیں ہے۔ صیغہ ہائے منتقلہ وزیروں کے سپرد ہیں۔ اور وہ ان کا انتظام کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ انتظامیہ کونسل کی کارروائیوں میں دخل نہیں دے سکتے۔ اور نہ اس کے ممبر ہوتے ہیں۔ لیکن گورنر صاحبان بعض معاملات میں متعلقہ کونسل انتظامیہ میں ان سے صلاح مشورہ کر لیتے ہیں۔ اور رائے لے لیتے ہیں۔ صوبوں کی قانونی کونسلوں میں رعایا کے نمائندوں

اور انتخاب شدہ ممبروں کی کثرت رکھی گئی ہے۔ اور وائسرائے کی قانونی کونسل میں بھی غیر سرکاری ممبروں کی کثرت ہے۔ پہلے سال تو ہر ایک گورنر نے اپنی مرضی کے مطابق وزیر رکھ لئے ہیں۔ آئندہ قانونی کونسل کے غیر سرکاری ممبروں میں سے بذریعہ انتخاب لئے جایا کریں گے۔ وزیروں کے متعلق بھی ایک ضروری شرط ہے اور وہ یہ کہ ان کا گورنر کی پالیسی سے اتفاق ہو۔ اگر ایسا شخص وزیر انتخاب کیا جاوے جو گورنمنٹ کی پالیسی سے متفق نہ ہو۔ تو گورنر اس کو لینے سے انکار کر سکتے ہیں اور قانونی کونسل کو نیا وزیر انتخاب کرنا پڑے گا۔ گورنمنٹ ہند یا مرکزی گورنمنٹ میں وزیر نہیں ہیں۔

بجٹ سالانہ گورنمنٹ لیجسلیٹو کونسل میں پیش کرتی ہے۔ جس پر بحث کرنیکا حق تو قانونی کونسل کو حاصل ہے۔ اور بعض دفعہ ممبروں کی بحث کی روشنی میں گورنمنٹ بجٹ ترمیم کر دیتی ہے۔ مگر قانونی کونسل کو بجٹ کی ترمیم کرنے کا حق قانوناً حاصل نہیں۔ اور نہ گورنمنٹ ان کے صلاح مشورہ پر عمل کرنے کے لئے پابند اور مجبور ہے۔ ہندوستان کے بجٹ کا ایک تماشہ اور ہے۔ مخصوص صیغوں کے لئے پہلے مطلوبہ روپیہ بجٹ میں سے لے لیا جاتا ہے۔ باقی جو بچ رہے۔ اس میں سے وزیر اپنے صیغوں کا خرچ مرتب کرتے ہیں۔ اگر یہ ناکافی ہو تو ان کو نئے ٹیکس لگانے کے اختیار ہیں۔ پورانے انتظام میں کل بجٹ کا ذمہ دار گورنر ہوتا تھا۔ اور وہ تمام صیغوں کا دھیان رکھتا تھا۔ رعایا میں بے چینی پیدا ہونے کا ڈر اس کو نئے ٹیکس لگانے سے روکتا تھا۔ اس لئے شرح حضوری تمام صیغوں کے لئے روپیہ مہیا کر دیتا تھا۔ اب مخصوص صیغوں کے لئے دل کھول کر روپیہ لے لیا جاتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ پولیس۔ فوج۔ اور مجسٹریٹوں پر مہربانیاں اور فیاضیاں کرنے کے گورنمنٹ پہلے سے زیادہ قابل ہو گئی ہے۔ اور رعایا پر گولیاں چلانے والے جبر اور ظلم کرنے والے۔ اور جیلخانوں میں بھیجنے والے محکمے خوب پلیں گے

صیغہ ہائے متفقہ کے سب رعایا کی بھلائی سے تعلق رکھنے والے محکمے ہیں - وہ یا تو بھوکے مریں گے یا نئے ٹیکس لگنے سے ان کی ہستی رہے گی - نئے ٹیکس لگنے سے ہندوستانی وزیر بدنام ہونگے - اور ان کے ہاتھوں یہ ہتنیا کا کام کرایا جاوے گا واجب تو یہ تھا کہ ہر صیغہ کے خرچ کا تناسب فیصدی مقرر ہوتا - تاکہ ہر صیغہ کو حصہ رسدی روپیہ نئے اور پرانے ٹیکسوں سے ملتا رہتا - مگر نوکر شاہی کو یہ منظور نہ تھا - وہ تو ایک اصول پڑھے ہوئے ہیں - میٹھا میٹھا ہپ - کڑوا کڑوا تھو +

دنیا نے مختلف طرز اور نمونے کی حکومتیں دیکھیں - اور آخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ خودمختار حکومتوں سے جمہوری حکومت اچھی ہوتی ہے - مگر کس کے لئے جن کی اپنی حکومت ہو - ماتحت قوموں کے لئے غیر ملکی جمہوری حکمران بدترین حکمران ثابت ہوئے ہیں +

غیر ملکی خودمختار بادشاہوں کی حالت میں ماتحت ملکوں کو ایک شخص کی حرص اور ضروریات کو پورا کرنا پڑتا ہے - اور چونکہ اکیلے انسان کی ضروریات اور حرص محدود ہوتی ہیں - اس لئے ماتحت ملک کی زیرباری کی حد ہوتی ہے - علاوہ ازیں اس کی عادات اس کے ساتھ جاتی ہیں - اس کی وفات پر ممکن ہے اس کا جانشین خداترس اور رعایا پرور ہو - ایسی حالت میں ماتحت ملک کو زیرباری سے چھٹکارا مل جاتا ہے - ہندوستان میں نادرشاہی لوٹ مشہور ہے - نادرشاہ آیا - کروڑوں روپیہ لوٹ کر لے گیا - وہ واپس چلا گیا - اور ہندوستان کا چھٹکارا ہو گیا - اس کے بعد ہندوستان کی دولت ہندوستان کے کام آئی - ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج آیا - بجائے ایک نادرشاہ کی حرص کو پورا کرنے کے ایک کمپنی کی حرص پوری کرنے کا فرض ہندوستان کے ذمہ ٹھہرا - اور بجائے ایک پیٹ بھرنے کے سینکڑوں پیٹ بھرنے پڑے - نادرشاہ کی لوٹ ایک مرتبہ ہوئی - مگر کمپنی کی لوٹ مسلسل اور ہر سال ہونے لگی - باایں ہمہ کمپنی کی حرص پر بعض پابندیاں تھیں جو اس کو خاص حد سے

بڑھنے نہ دیتی تھیں۔ غیر حصہ دار انگریز کمپنی کے منافعہ کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور یہ حاسد کمپنی کے ذرا ذرا سے نقصوں کی گرفت پر آمادہ رہا کرتے تھے۔ کمپنی کے ڈائرکٹر اپنے ملازمان کے افعال کے ذمہ وار تھے۔ وہ اگر کوئی ظلم کرتے۔ تو پارلیمنٹ کی عدالت میں ان کے خلاف چارہ جوئی ہو سکتی تھی جب کمپنی کو منافع زیادہ ہونے لگا۔ آزاد خیال انگریزوں نے شور مچانا شروع کیا کہ غریب ہندوستانیوں کو ناجائز طریق سے کمپنی لوٹتی ہے۔ وارن ہیسٹنگز اگرچہ گورنر جنرل تھے۔ مگر ان پر بیگمات اودھ کی بے حرمتی کرنے اور راجہ چیت سنگھ سے ناجائز روپیہ وصول کرنے کے الزامات میں مقدمہ فوجداری چلایا گیا۔ یہ ڈر تھے۔ جو کمپنی کو جبر اور ظلم سے روکتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت چھینکر پارلیمنٹ کے سپرد کی گئی۔ اب بجائے ایک کمپنی کی حرص کو پورا کرنے کے تمام انگریزی قوم کی حرص کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ نادر شاہی لوٹ کروڑوں تک تھی۔ یہ انگلستانی لوٹ اربوں تک پہنچتی ہے۔ اور مستقل اور مسلسل طریق پر۔ اب اس لوٹ میں ہر ایک انگریز بچہ کو حصہ ملتا ہے۔ اس لئے اب کسی انگریز کے منہ سے ہم نہیں سنتے کہ ناجائز طریق پر ہندوستان لوٹا جا رہا ہے۔ ہندوستان کے لئے اب کوئی آزاد خیال انگریز نہیں رہا۔ گورنر جنرل کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اب تو یا سور فتہ بسمتہ ایک ڈپٹی کمشنر ہی نا دلیاں والے کی عورتوں کی بے عزتی کر سکتا ہے اور کوئی بازپرس نہیں ہوتی۔ جنرل ڈائر بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار کر نہنچی سے کمیشن کے سامنے شہادت دے سکتا ہے کہ اگر گولیاں اور بارود ختم نہ ہوتے تو وہ اور بھی کشت و خون جاری رکھتا۔ ایسے شخص کو بجائے پھانسی ملنے کے انعام ملتا ہے۔ میرے خیال میں اوڈوائر نے وارن ہیسٹنگز سے کم ظلم نہیں کیے مگر اوڈوائر پر مقدمہ چلانے کی بجائے اس کو شاباش ملتی ہے۔ وارن ہیسٹنگز کا یہ قصور تھا کہ اس نے صرف کمپنی کو فائدہ پہنچایا۔ اوڈوائر کی خدمت یہ تھی کہ اس نے کل انگریزی قوم کو فائدہ پہنچایا۔ مقدمہ اس پر کون بنائے۔ لارڈ چیمسفورڈ

کا وہ ماتحت اور اس کی ہدایت پر کاربند تھا۔ اس کے خلاف لکھ کر کیا لارڈ چیمسفورڈ خود ملزم بنتے۔ لائیڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ کا وہ پروردہ اور بھیجا ہوا اور اس کی پالیسی پر چلنے والا۔ اس پر مقدمہ بنا کر کیا اپنی پالیسی کو خود ہی غلط قرار دیدیتے +

لائیڈ جارج کا وزیر رہنا ہی اس امر کی علامت ہے کہ پارلیمنٹ میں اس کی پارٹی کی کثرت ہے اور پارلیمنٹ کا اس پر اعتبار ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ پارلیمنٹ لائیڈ جارج کی پالیسی کو پسند کرتی ہے۔ جب کثرت رائے اس پالیسی کے حق میں ہو۔ جس پر اوڈوایر چلتا رہا۔ تو مقدمہ کا سوال تو اڑ گیا۔ باقی رہی مخالف پارٹی اور اس کی نکتہ چینی۔ اس کا منہ بند کرنے کو اتنا خیال پیدا کر دینا کہ اوڈوائر نے انگریزی قوم کا فائدہ کیا ہے کافی ہے۔ وہ دن ایسٹ انڈیا کمپنی کے تھے۔ جب گورنروں پر مقدمات بنا کرتے تھے۔ لہٰذا "وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے"۔ اب تو وہی سزا دینے والا اور وہی مارنے والا ہے۔ وہی زخم لگانے والا اور وہی مرہم رکھنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستان کے دکھ درد کی شنوائی نہیں ہوتی۔ ایک شخص کا پیٹ بھر دینا اور اس کو خوش کر لینا مشکل نہیں ہوتا۔ ایک کمپنی کا پیٹ بھرنا اور اس کے ممبروں کو خوش کرنا مشکل نہ ہوگا۔ مگر ساری قوم کا پیٹ بھرنا اور اس کو خوش کر لینا مشکل تریں بلکہ ناممکن ہوگا۔ ۱۸۵۸ء سے ہندوستان اپنے تمام ذرائع انگریزی قوم کے پیٹ بھرنے میں لگا رہا ہے۔ مگر اس کا پیٹ اتھاہ سمندر ہے اس پر مشکل یہ کہ انگریزی قوم کی حرص بڑھتی جاتی ہے۔ اور ہندوستانیوں کی غربت بڑھتی جاتی ہے۔ اس لئے تنگ آمد بجنگ آمد والا معاملہ ہوتا جاتا ہے۔ انگریز کہتے ہیں کہ ہندوستانی ناشکر گزار اور باغی ہوتے جاتے ہیں۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ انگریز ظالم اور ناحق شناس بنتے جاتے ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ نہ یہ باغی نہ وہ ظالم۔ طرز حکومت ہی ایسا ہے جس کے نیچے ہندوستانی کل روز بروز بگڑتی جاتی ہے +

انگلستان اور ہندوستان کے تعلقات

انگلستان اور ہندوستان کے تعلقات کو ذیل کی تمثیل سے سمجھنے میں آسانی ہوگی - فرض کریں کہ ایک کمپنی ہے - جس کا ہیڈ کوارٹر ایک بڑے شہر میں ہے - اس کمپنی کا ایک گاؤں ہے - جس کے انتظام کے لئے وہ اپنے حصہ داروں میں سے ایک حصہ دار کو کارندہ مقرر کرکے بھیجتی ہے - تاکہ کسانوں سے جو کمپنی کی زمین کو کاشت کرتے ہیں لگان وصول کرکے کمپنی کے دفتر میں بھیجدے اور گاؤں کا انتظام رکھے - ایک کارندہ شریف طبیعت کا ہے - خدا ترس ہے - کسانوں پر رحم کرتا ہے - جو واجب اور مقرر شدہ لگان ہے وصول کرکے کمپنی کو بھیجتا رہتا ہے - کسان اس سے خوش ہیں - اور چاہتے ہیں کہ وہی کارندہ رہے - مگر کمپنی کے نقطہ خیال سے ایسا کارندہ کچھ زیادہ لائق نہیں - کمپنی کا مینیجنگ ڈائرکٹر سوچتا رہتا ہے کہ لگان جو پٹہ میں درج ہے - وہ تو لینا ہی ہے - اضافہ ہو جاتا تو بہتر تھا - اس کو واپس بلایا جاتا ہے - اور اس کی بجائے دوسرا کارندہ بھیجا جاتا ہے وہ گاؤں میں جاکر کسانوں کے درمیان نفاق ڈلوا کر ان کو آپس میں جوتم پیزار کروا دیتا ہے - اس طرح ان کو کمزور کرکے لگان زیادہ وصول کرنا چاہتا ہے - جو کسان سمجھدار ہیں - وہ جب اس کو پٹہ کی شرائط یاد دلاتے ہیں - تو وہ ان کو لچے - بدمعاش - اور قانونی کہکر دھمکاتا ہے - یہ کسان دوسرے کسانوں کو کارندہ کے جبر سے آگاہ کرتے ہیں - تو کارندہ ان کو مار پیٹ کر نکال دیتا ہے - اور ان کی زمین جبراً چھین کر بے دخل کر دیتا ہے - کسان ایک ڈیپوٹیشن لیکر کمپنی کے ڈائرکٹروں کے پاس جاتے ہیں - ڈائرکٹر ان کی شکایات سنتے ہیں - مگر دل میں جانتے ہیں کہ کارندہ کمپنی کی آمدنی بڑھاتا ہے - اگرچہ کسان نالاں ہیں مگر کمپنی کا فائدہ ہے - اس لئے وہ چکنی چپڑی باتوں سے اس ڈیپوٹیشن کو ٹھنڈا کرتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ ہم آپ کی شکایات کے متعلق کارندہ سے جواب طلب کرتے ہیں - اس کا جواب آنے پر فیصلہ ہوگا - ہمیں آپ کی تکالیف سے بڑی ہمدردی ہے - دنیا کا قاعدہ

ہے کہ دیر پڑ جانے سے غصہ رفع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تو عقلمندوں کا مقولہ ہے
کہ "وقت سب سے بڑا معالج ہے"۔

time is the great healer ---

جواب طلب کیا جاتا ہے۔ جواب طلب کرنے والے۔ اور جواب دینے والے
دونوں جانتے ہیں کہ یہ محض ایک ضابطہ ہے۔ کارندہ لکھ بھیجتا ہے کہ کسان بہت
خوشحال ہو گئے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہ لوگ اضافہ لگان ادا نہ کریں۔ ڈیپوٹیشن
کو کہا جاتا ہے کہ دیکھو جواب آیا ہے۔ کہ تم لوگ خوشحال ہو گئے ہو۔ آمدنیاں تمہاری
بڑھ گئی ہیں۔ اضافہ لگان ٹھیک ہے۔ تمہیں ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ تمہارے
گاؤں کی بہتری میں زیادہ لگان خرچ ہوگا۔ تمہارے آرام کے لئے سرائے بنائی
جاوے گی۔ کنوئیں اور تالاب اور سڑکیں بنیں گے۔ وغیرہ وغیرہ کسانوں کا ڈیپوٹیشن
وہاں سے نراش ہو کر حصہ داروں سے اپیل کرتا ہے کہ ہم پر ظلم ہوتا ہے ہمیں
چھڑاؤ۔ حصہ دار بھی دل سے جانتے ہیں کہ اس ظلم میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔
مگر وہ ڈیپوٹیشن کو خوش کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں۔ دیکھو کمپنی کے سالانہ اجلاس
پر ہم ڈائرکٹروں کو پوچھیں گے۔ اور آپ کی شکایات رفع کرا دیں گے۔ سالانہ
اجلاس میں ایک دو حصہ دار کہہ دیتے ہیں کہ کسانوں کو شکایت ہے۔ دوسرے
کہہ دیتے ہیں کہ اضافہ لگان تھوڑا ہے۔ زیادہ ہونا چاہیئے تھا۔ معاملہ آیا گیا
ہو جاتا ہے۔ کسان یہ دیکھ کر کہ کارندہ کے خلاف شکایات کی شنوائی نہیں۔
سوچنے لگتے ہیں کہ کیا کیا جاوے۔ چونکہ انسانی طبیعتیں اور خصلتیں مختلف ہوتی
ہیں۔ اس لئے بعض تو خودغرضی میں پھنس کر کارندہ کے طرفدار بن جاتے ہیں
اور سرکار دار کہلاتے ہیں۔ بعض کارندے کے حکم کے خلاف دادرسی سے مایوس
ہو کر چپ ہو جاتے ہیں۔ ان کو بھلے مانس کہا جاتا ہے۔ مگر بعض جھگڑالو
طبیعت کے ہوتے ہیں۔ وہ پٹہ کے مطابق اپنے حقوق کا شور مچاتے ہیں
ان کو شریر کہا جاتا ہے۔ صلح کن طبیعتیں بھی ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ یہ فرقہ کبھی

جھگڑالوؤں کو سمجھاتا اور دھمکاتا ہے - اور کبھی کارندہ کی خوشامد کرتا ہے - یہہ فرقہ ماڈریٹ کہلاتا ہے - اگر ناجائز اضافہ لگان کے ایک روپیہ کی بجائے ۱۵ آنے ہو جاویں - تو یہ فرقہ اپنی کامیابی سمجھتا ہے - کسانوں کو سمجھاتا ہے کہ رضامندی سے ۱۵ ار منظور کر لو - ورنہ ایک روپیہ دینا پڑے گا - اور وہ بھی جوتے سے کارندہ بھی ہوشیار ہے - وہ ان ماڈریٹ صاحبان سے کہتا ہے کہ کسانوں سے درخواست دلواؤ - کہ ہم واقعی خوشحال ہیں - لگان میں اضافہ کی کمپنی حقدار ضرور ہے - مگر ایک روپیہ کی نہیں - یہ بہت زیادہ ہے - ہم ۱۵ ار دینے کو تیار ہیں لیا جاوے - چنانچہ درخواست منظور ہو جاتی ہے اور لگان میں ۱۵ ار کا اضافہ ہو جاتا ہے - اب یہ ایک امر تصفیہ شدہ (Settled fact .....) بن جاتا ہے - اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے وہ ماڈریٹ صاحبان کی معرفت تعریفی ایڈریس بھی لیتا ہے - ایسے کارندے کو کمپنی بجائے جلد بلانے کے دیر تک انچارج رکھتی ہے - تیسرا کارندہ پھر نرم طبیعت کا آجاتا ہے - پہلے اضافہ کو نہ یہہ گھٹا سکتا ہے اور نہ گھٹانا چاہتا ہے - کیونکہ گھٹانے میں اس کا بھی نقصان ہے - اگر کسان کہیں بھی تو جواب آسان ہے - تم نے خود اضافہ تسلیم کر لیا ہے - اب کس منہ سے اس پر اعتراض کر سکتے ہو - تیسرا کارندہ اگر اضافہ نہ کرے - تو کسان اس کو شریف اور بھلامانس کہتے ہیں - چوتھا کارندہ دوسرے کارندے کے نمونہ کا آتا ہے - اور کچھ اور اضافہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے - کسانوں کے نقطہ خیال سے یہ ظالم - مگر کمپنی کے نقطہ خیال سے اچھا کارندہ شمار ہوتا ہے - نرم اور گرم کارندوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے - کسان کسی کو ظالم اور کسی کو نیک کہتے رہتے ہیں - مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کمپنی کے مطلب کے پکے ہوتے ہیں - ان کی کارگزاری اسی میں ہے - کہ کمپنی کی آمدنی بڑھے - کیونکہ کمپنی کی آمدنی بڑھنے میں ان کا حصہ بھی زیادہ ہوتا ہے - بجنسہٖ یہی حال ہندوستان پر انگلستان کی حکومت کا ہے - انگلستان کا

انتظام بالکل کمپنی کے طرز پر ہے۔ جس میں ہر ایک انگریز پیدائش سے حصہ دار
بن جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کے ممبر وہ حصہ دار ہیں۔ جو کمپنی کے معاملات کی نگرانی
کرتے ہیں۔ مجلس وزرا اس کا بورڈ آف ڈائرکٹرز ہے۔ وزیر اعظم مینجنگ ڈائرکٹر
ہے۔ حالات زمانہ اور رواج قدیمہ سے ہر ایک انگریز قوم کا شیدائی ہوتا
ہے۔ چنانچہ جب شاہجہان کی لڑکی کا علاج ڈاکٹر باٹن نے کیا۔ اور اس کے
ہاتھ سے شفا ہو گئی۔ بادشاہ نے ڈاکٹر سے کہا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے
اپنے لئے کچھ نہیں مانگا۔ اپنے خاندان کے لئے کچھ نہیں مانگا اس نے اپنی قوم کے
لئے مانگا کہ انگریزوں کو ہندوستان میں تجارت کرنے کی اجازت دی جاوے
یہ ہے قومی جذبہ۔ اس جذبے میں اُس وقت سے آج تک اس قدر اضافہ
ہوا ہے کہ یہ خبط کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے پورا کرنے میں انگریز
نہ اپنے اقرار کی پرواہ کرتا ہے نہ تحریر کی۔ نہ قانون کی پاکیزگی نہ دنیا کی لاج
اس کو روک سکتی ہے۔ اس کی خاطر وہ اپنا ایمان اور عاقبت بھی گندی
کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ لارڈ کلایو نے انگریزی راج قایم کرنے کی
خاطر جعلی دستاویز بنانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ہندوستانی کے مقابلہ میں انگریز
مجرم کو بچانے کی خاطر انگریز ڈاکٹر۔ جج اور جیوری حلف اُٹھا کر کہہ دیتے ہیں
کہ انگریز مجرم بے گناہ ہے۔

ہر ایک انگریز یہ کوشش کرتا ہے کہ جو دولت یا روپیہ انگلستان کو
حاصل ہو۔ اس کا فائدہ تمام انگلستان اُٹھا دے۔ ہندوستان میں جو انگریز
حاکم آتے ہیں وہ بطور کارندہ حصہ دار کے آتے ہیں۔ وائسرائے سب سے
بڑا کارندہ ہے۔ جو وائسرائے ہندوستانیوں پر نیا ٹیکس نہیں لگاتا۔ نئے
تشدد آمیز قانون نہیں بناتا۔ ہندوستانی اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور
چاہتے ہیں کہ وہی وائسرائے رہے۔ چنانچہ لارڈ ہارڈنگ ایسے وائسرائے
تھے۔ ہندوستانیوں نے بہتیرے رزولیوشن پاس کئے۔ عرضداشتیں

بھیجیں۔ قانونی کونسل نے ذریعہ وزیر ہند اور وزیر اعظم سے درخواستیں
کی گئیں۔ اخباروں نے آرٹیکل پر آرٹیکل لکھے کہ ان کے عہدہ کی میعاد بڑھا
دی جاوے۔ حالانکہ یورپ کا عظیم جنگ شروع تھا۔ نہر سویز کا راستہ خطرناک
تھا۔ مگر لارڈ ہارڈنگ کو ایک دن بھی زیادہ نہیں رہنے دیا گیا۔ بلکہ گیلی پولی کی مہم
کے متعلق اُن سے سخت بازپرس ہوئی۔ خوبی قسمت سے ملزم ہونے سے بچ گئے۔
برخلاف ان کے لارڈ کرزن۔ لارڈ منٹو۔ لارڈ چیمسفورڈ دوسرے نمونے کے
کارندے تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے تشدد آمیز قانون بنائے۔ ہر قسم کی زیادتیاں
اور سختیاں ہندوستانیوں پر کیں۔ لارڈ کرزن نے تو ملکہ وکٹوریہ کے ۱۸۵۸ء
کے اعلان (جس کو ہندوستانی اپنے حقوق کا پٹہ سمجھتے ہیں) اور لارڈ چیمسفورڈ
نے بادشاہ سلامت جارج پنجم کے اعلان۔ اور ۲۰۔ اگست ۱۹۱۷ء کے مجلس
وزراء کے اقرار (جس کو ہندوستانی اقرارنامہ جدید کہتے ہیں) کو ردی کاغذ کی
وقعت دیکر چمن میں اُڑا دیا۔ لارڈ چیمسفورڈ نے تو رولٹ ایکٹ رات کے ۱۲ بجے
پاس کرکے ہی چھوڑا۔ ہندوستانیوں نے بہتیری شکایات کیں۔ ممبران پارلیمنٹ
کو اُبھارا۔ مگر انگریز اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ کہ جو کچھ لارڈ چیمسفورڈ نے کیا۔ اس
سے انگریزوں کے ہاتھ زیادہ مضبوط ہوگئے ہیں۔ سر مائیکل اوڈوائر نے دوران
جنگ میں جس طرح بھرتی کی۔ جس طرح چندہ جمع کیا۔ جس طرح قوم پرستوں کو
اذیتیں دیں۔ وہ سب کو معلوم ہے۔ اس کے ظلم نے نادر شاہی ظلم کو بھی
مات کر دیا تھا۔ اگرچہ ہندوستانی چیختے چلاتے رہتے۔ مگر گورنمنٹ ہند اور
گورنمنٹ برطانیہ نے اس کو خوشنودی کا پروانہ دیا۔ اس کی خدمات کی تعریف
کی گئی۔ ہر ایک انگریز بچہ جانتا ہے کہ ہندوستانی فوج نہ آتی تو سلطنت برطانیہ
کے مٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ علاوہ ازیں جہاں ہندوستانی مرتے وہاں انگریزوں
کو مرنا پڑتا۔ بالفاظ دیگر اوڈوائر نے ہندوستانی جانوں اور ہندوستانی روپیہ کی
بلی دیکر انگریزی جانوں اور روپیہ کو بچا لیا۔ ہندوستانی نقطۂ خیال سے وہ

کتنا ہی ظالم گنا جاوے مگر انگریزی نقطہ خیال سے اس نے انگریزی قوم کی بیش بہا خدمات انجام دیں - جنرل ڈائر نے ہندوستانی نقطہ سے گھور پاپ اور ارتکاب کیا - مگر انگریزی نقطہ خیال سے اس نے اپنی قوم کی قیمتی خدمات سر انجام دیں - فی انگریزی جان کے بدلے ۱۰۰ ہندوستانی جانیں لے کر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا - اس نے ہندوستانیوں کو بتلا دیا کہ انگریزی جان بڑی قیمتی ہے - مارشل لا کے بہانے سے حقوق کا شور مچانے والوں سے سرزمین ہند کو صاف کرنا چاہا - ہندوستانی خواہ اس پر لاحول پڑھیں - مگر انگریزی قوم نے اس کو کئی لاکھ روپیہ بطور انعام پیش کیا ہے - اور اب وہ انگلستانی سپوتوں میں سے گنا جاتا ہے - اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے ڈوائر اور اوڈوائر نے تعویذ ایڈریس بھی حاصل کر لئے ہیں ؛

ہندوستانیوں کو یہ امر بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جو انگریز اپنے انگلستان میں لبرل ہوگا - رعایا کی پاسداری کرے گا - رعایا کے حقوق کی حفاظت کرے گا - گورنمنٹ کے اختیار کا حاسد ہوگا - رعایا کی خاطر لڑے گا - وہ ہندوستان میں آ کر بادشاہی اختیارات کا حامی - رعایا کے حقوق کا حاسد - جبر کا طرفدار اور گورنمنٹ کے رعب کا مددگار اور ہندوستان کی آزادی کا دشمن ثابت ہوگا اور یہ حیرانی کی کوئی بات نہیں - آدمی وہی ہے - اس کی عادات وہی ہیں - اس کے خیالات وہی ہیں - انگلستان میں جمہور پسند Democrat بنکر انگریزی قوم کی خدمت کر سکتا ہے - مگر ہندوستان میں وہی خدمت autocracy خود مختار حکومت سے ہو سکتی ہے - انگلستانی نقطہ خیال سے اینگلو انڈین بڑا مفید پرزہ ہے - مگر ہندوستانی نقطہ خیال سے وہ لعنتی مخلوق ہے - القصہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کا مرکزی اصول انگلستان کا فائدہ ہے - اس اصول کے حصول کے واسطے جو کارروائیاں کی جاتی ہیں - ان کا نام پالیسی گورنمنٹ ہند ہے - اس پالیسی کے ساتھ گورنروں

انڈیا ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں اور ہندوستانی وزیروں کو متفق ہونا پڑتا ہے۔ ورنہ مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں گورنمنٹ ہند میں صرف وہ ہی شخص رہ سکتے ہیں۔ جو اس کی پالیسی کے ساتھ متفق ہوں۔ اس لئے ماڈریٹ صاحبان کو انگریزی قوم کی بھلائی مدنظر رکھنی پڑتی ہے۔ چونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ جونک کا پیٹ بھی بھر جاوے اور مریض کا بھی خون کم نہ ہو۔ اس لئے ماڈریٹ صاحبان کو ہندوستان کا فائدہ انگلستان کی خاطر قربان کرنا پڑتا ہے۔ انگریزوں میں اور ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ انگریز ہندوستان کی بھلائی سے لاپرواہ رہتا ہے۔ ماڈریٹ صاحبان یہ دھیان رکھتے ہیں کہ انگلستان کی بھلائی ہوتے ہوئے ہندوستان کا بھلا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ چونکہ ایسے موقعے شاذونادر ہی آتے ہیں۔ اس لئے قوم پرستوں کے نقطہ خیال سے ماڈریٹوں اور انگریزوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ مگر جب کبھی ایسا موقعہ آتا ہے۔ اور ہمارا یقین ہے ہمارا انگلستان کی بھلائی ہو کر اور ہندوستان کی بھلائی ہو جاوے۔ تو ماڈریٹ صاحبان اپنی کامیابی پر پھولے نہیں سماتے ✢

اب ہمارے ناظرین کو وہ معمہ معلوم ہو گیا ہوگا۔ جس کا اشارہ میں نے اپنے مضمون نمک کان کے خاتمہ پر کیا تھا۔ انگریزی قوم کی بھلائی نمک ہے۔ گورنمنٹ ہند اس نمک کی کان ہے۔ اس کان میں جو داخل ہوتا ہے۔ اور وہاں رہتا ہے۔ وہ انگریزی قوم کی بھلائی کا نمک بن جاتا ہے۔ ہندوستان کی بھلائی اختیاری مضمون رہ جاتا ہے۔ چونکہ انگلستانی لوٹ کا بڑا بھاری میدان ہندوستان ہے۔ اس لئے جو ہندوستانی گورنمنٹ کا جزو بنتا ہے۔ وہ نادانستہ اور بے معلوم طریقہ سے ہندوستان کو لوٹ کر انگلستان کا فائدہ کرتا ہے ✢

ہندوستانی چیختے ہیں کہ ہم فاقے سے مر رہے ہیں۔ انگریز کہتے ہیں کہ ہندوستان

بڑا خوشنول ہے۔ انگریزی راج میں اس نے مادی اور اخلاقی ترقی بہت کی ہے۔ ہر ایک وائسرائے ہندوستان کو خوشحال بتلانا اپنا اصولی فرض سمجھتا ہے۔ اور دنیا کو دکھانا یا دشاہ کی وفاداری کے نام پر اپیل کر کے جشن اور امیری کی نمائش کرواتا ہے۔ اور سیکرٹری صاحبان بھی اسی پاپ کو جپنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی نیا ٹیکس لگ جاتا ہے۔ اور جب قوم پرست ہندستان کی مفلسی کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ تو سیکرٹری صاحبان کے بیانات کا حوالہ دے کر ہندوستان کی خوشحالی کو امر مسلمہ سمجھ کر سمجھا جاتا ہے

کہہ دیا جاتا ہے۔ سیکرٹری صاحبان بھی کیا کریں۔ ان کو وائسرائے کی پالیسی پر چلنا پڑتا ہے۔ وائسرائے کو اپنی کارگذاری مجلس وزراء کے اور مجلس وزرا کو اپنی کارگذاری پارلیمنٹ کے اور پارلیمنٹ کو اپنی کارگذاری رائے دہندگان کے روبرو رکھنی پڑتی ہے۔ اور وہ کارگذاری یہ ہے کہ انگریزی قوم کی بھلائی تم نے کتنی کی ہے۔ اس کارگذاری میں اگر وائسرائے کوتاہی کرے تو وزارت کا اعتبار کھو بیٹھتا ہے۔ وزارت کوتاہی کرے۔ تو پارلیمنٹ کا اعتبار زائل ہو کر وزارت چھوڑنی پڑتی ہے۔ ممبران پارلیمنٹ کوتاہی کریں۔ تو اپنی ممبری کھو بیٹھیں یہ سلسلہ ہندوستان کی بربادی اور تباہی کا موجب بن رہا ہے۔ ہندوستان کی حالت زار پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے "ہم اُلٹے بار اُلٹا۔ تقدیر اُلٹی" مصدر اُلٹنا کو تمام گردان یہیں ختم ہوتی ہے۔ اس گورنمنٹ میں داخل ہوتے ہی ہندوستانی کا حب وطن یا دیش بھگتی اُلٹی ہو جاتی ہے۔ انگریزوں کے سنہری جمہوری اصول اُلٹے ہو جاتے ہیں۔ آزاد ملکوں کی ہمدردی اُلٹی ہو جاتی ہے حال ہی میں پارلیمنٹ میں ایک سوال کیا گیا کہ جرمنی سے جو معاوضہ ملا ہے۔ اس میں ہندوستان کو سب سے تھوڑا حصہ کیوں ملا۔ جواب دیا گیا کہ ہندوستان باقی نو آبادیات سے زیادہ خوشحال ہے۔ کیونکہ اس کے قرضہ جنگ کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ جو خوب مالدار ہو وہی قرضہ لیا یا دے۔ اور پھر اس کو علامت

خوشحالی بتلایا جاوے - یہ ہے مطلب ہندوستان کو خوشحال کہنے کا - تاکہ جب دینے کا وقت آوے تو سب سے زیادہ دے - اور جب لینے کا وقت آوے - تو سب سے کم لے - جو وائیسرائے یا گورنر آتا ہے - ہندوستان کی خوشحالی کی ڈھرپد گاتا آتا ہے - ہمارے حکمرانوں کی تقریروں میں اور کوئی مضمون ہو نہ ہو - ہندوستان کی خوشحالی کا ذکر ضرور ہوتا ہے - ہمارے ناظرین نے اگر پہلے دھیان نہیں کیا - تو اب ضرور دھیان رکھیں - آیندہ بھی تقریریں ہونگی - اور یہ ترانہ ضرور گایا جاویگا - ہندوستان یا ہندوستانیوں میں انگریزوں کو کوئی خوبی نظر نہیں آتی - وہ انگریزوں سے لیاقت - ایمانداری - تدبر - علمیت انتظام - عقیدہ - غرضیکہ ہر ایک نیک عادت میں کم ہیں - ہندوستان میں نہ صنعت ہے نہ تجارت - مگر خوشحالی ضرور ہے - انگریز مدبروں کا تو منشا خوشحالی جتلانے کا یہ ہوتا ہے کہ یہ انگریزی گورنمنٹ کی برکت ہے - باوجود ان تمام کمیوں کے ہندوستان کو انہوں نے خوشحال بنا دیا - اور ریفارمر صاحبان ایسا کہنے پر اس لیے مجبور ہوتے ہیں - تاکہ انگریز سمجھیں کہ ہندوستانی ہمارے شکرگذار ہیں - اور سابقہ عنایات کی شکرگذاری سے خوش ہو کر اور مزید عنایات کرنے پر آمادہ ہو جاویں - میں تو یہ سمجھا کرتا ہوں کہ اضافہ لگان اسی طرح بڑھایا جا رہا ہے ؟

پالیسی کسے کہتے ہیں ؟

لفظی ترجمہ پالیسی کا حکمت عملی ہے - مگر پولیٹکل لغت میں اس کا ترجمہ طرز عمل زیادہ صحیح ہے - انگلستان کی گورنمنٹ کا مدعا - مقصد - آدرش یا نصب العین انگریزی قوم کی بھلائی ہے - جس کے حاصل کرنے کے لیے تجربہ کار شخص منتخب کئے جاتے ہیں - اور ان میں اول نمبر وزیر اعظم کا ہوتا ہے - مقصد کی تکمیل کے واسطے جو طرز عمل وزیر اعظم اختیار کرتا ہے - اس کا نام گورنمنٹ برطانیہ کی پالیسی ہوتا ہے - وائسرائے بھی ایسے مقصد کو لیکر ہندوستان میں آتے ہیں - یہاں کے حالات کے مطابق جو طرز عمل وہ اختیار کریں - اس

تمام گورنمنٹ ہند کی پالیسی پڑتا ہے۔ انگریزی قوم کی بھلائی انگلستان اور ہندوستان میں دو مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے۔ قوم کا لفظ بھی تشریح چاہتا ہے +

ہر ملک میں محلوں کے رہنے والے امیر گنتی کے ہوا کرتے ہیں۔ باقی تمام آبادی معمولی حیثیت اور غریب لوگوں کی ہوتی ہے۔ اور جھونپڑوں میں رہا کرتی ہے۔ ان لوگوں کو اردو میں عوام الناس اور ہندی میں سادھارن جنتا کہتے ہیں یہی لوگ قوم کہلاتے ہیں۔ انگریزی میں ضرب المثل ہے کہ قوم جھونپڑوں میں رہتی ہے۔ جس کو ہم دوسرے الفاظ میں اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ جھونپڑوں میں رہنے والے قوم کہلاتے ہیں۔ انگلستان میں انگریزی قوم کی بھلائی اس بات میں ہے کہ انگریز بچے تندرست رہیں۔ عمریں ان کی دراز ہوں۔ پیٹ بھر کر روٹی کھاویں۔ علم و ہنر سیکھیں۔ دنیا میں اونچا سر کر کے چلیں۔ اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کریں۔ انتظامیہ افسر رعایا کو ستا نہ سکیں۔ جمہور کی طاقت مضبوط ہو۔ اور خود مختار حکومت کا خاتمہ ہو۔ رعایا کا ہر ایک معاملہ میں دخل اور اختیار ہو۔ رعایا کی آواز کی شنوائی ہو کر اس کے مطابق عمل درآمد ہو۔ چنانچہ انگلستان میں اخبارات بڑی طاقت ہیں۔ وہ رعایا کا دکھ بتلاتے رہتے ہیں۔ ان کی آزادی کو کم کرنے کا خیال بھی کسی کو پیدا نہیں ہوتا۔ نہ کسی میں یہ طاقت ہے۔ قوم کے نمائندوں کو حکومت کا تخت پیش کیا جاتا ہے۔ جن کے حکم کی تعمیل بادشاہ پر بھی فرض ہے۔ پولیس رعایا کے آرام آسائش کے لئے ہے۔ اور انگلستان میں سب سے شریف محکمہ پولیس کا گنا جاتا ہے۔ عدالتیں انتظامیہ افسروں پر حکومت کرتی ہیں۔ وہاں پر افسران و ملازمان حکومت کو [illegible]

[illegible] خادمان رعایا کہا جاتا ہے۔ رعایا پر گولی چلانے کی جرأت کسی کو نہیں ہو سکتی۔ وہاں پر حکمران اور رعایا میں تمیز کرنا بھی ناممکن ہے۔ رعایا ہی حکمران اور حکمران خود رعایا ہیں۔ جو روپیہ گورنمنٹ کے خزانہ میں آوے۔ اس کا فائدہ لوگوں کو پہنچتا ہے۔ وہاں کی گورنمنٹ کو ایک ہی نشہ اور ایک ہی خبط ہے

اور وہ یہہ کہ انگریزی قوم کی بھلائی کس طرح ہو سکتی ہے - ویسے تو گورنمنٹ
ہند کو بھی یہی خبط اور یہی نشہ ہے - اسی کارن ہندوستان کا جب اتفاق
پڑتا ہے تو تمام کا تمام نقشہ الٹا ہو جاتا ہے - ہندوستان میں انگریز حاکم اور
ہندوستانی رعایا ہیں - جن کی زبان مختلف - پوشاک مختلف - طرز رہائش
مختلف - عادات مختلف - ذات مختلف ہیں اگرچہ بعض ہندوستانی انگریزوں
کی پوشاک پہنکر نقلی صاحب بننا چاہتے ہیں - مگر رنگ اور زبان کا فرق اتنا ہے
کہ سادھارن آدمی بھی ایسے بہروپیے کو فوراً پہچان لیتا ہے ٭

(۱) - انگریزی قوم کا فائدہ اس بات میں ہے کہ وہ ہمیشہ ہندوستان
کے حکمران رہیں - اور ہندوستانی ہمیشہ ان کی رعایا رہیں - اسی لئے نسلی
امتیاز یہاں کا بنیادی اصول بن گیا ہے - اسی امتیاز کی بدولت انگریزوں
کو بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں - اسی امتیاز کی بدولت وہ قانون اسلحہ سے
بری ہیں - اسی امتیاز کی وجہہ سے پولیس ایکٹ کا ان پر اثر نہیں ہوتا -
اسی امتیاز کی وجہہ سے ہر انگریز امید کرتا ہے کہ ہندوستانی خواہ کتنی ہی
بڑی حیثیت کا ہو وہ ان کو سلام کرے - یہی امتیاز ان کے لئے ریلوے میں
اور جہازوں میں خاص آرام مہیا کراتا ہے - اسی امتیاز کے طفیل انگریز
مجرم ہندوستانی مجسٹریٹ کے اختیار سماعت سے باہر ہو جاتا ہے -
اور جیوری اور یورپین مجسٹریٹ سے اپنا مقدمہ فیصل کراتا ہے - اسی امتیاز
کے ماتحت ہی اس کو ہندوستانی زندگی کیڑے مکوڑے کی زندگی دکھائی دیتی
ہے - یہی امتیاز ہندوستانی کے پیٹ میں بوٹ کی ٹھوکر لگتے ہی تلی پھٹا
کر دیتا ہے - القصہ یہی امتیاز ہندوستانی کو وحشی اور انگریز کو دیوتا کا
خطاب دلاتا ہے - لارڈ ریڈنگ کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی ہے - اور اب وہ
نسلی مساوات کا پہاڑہ نہیں پڑھتے ٭

(۲) - انگریزی قوم کا فائدہ اس میں ہے کہ انگریز صنعت اور دستکاری

کو ترقی ہو۔ اور انگریز کاریگروں اور سوداگروں کو کروڑوں روپیہ گھر بیٹھے پہنچ جاوے۔ اس مطلب کو حاصل کرنے کے لئے ہندوستان میں جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی کا نام گورنمنٹ ہند کی پالیسی دربارہ صنعت ([illegible]) ہے۔ اسی پالیسی نے ہندوستان کی صنعت کو برباد کرایا۔ اسی نے یہ ریلیں بنوائیں۔ یہی پالیسی ہندوستانیوں کو علم و ہنر سکھانے سے روکتی ہے۔ یہی پالیسی محکمہ تعلیم میں آزاد اور روزی کمانے کی تعلیم کو مروج ہونے نہیں دیتی۔ یہی پالیسی ہمارے وزیروں کو بے بس بناتی ہے۔ اسی پالیسی نے ([illegible]) آزادی تجارت کے فائدے ہمارے ذہن نشین کرائے۔ اور انگلستان کی چیزیں ہمارے گلے منڈھیں۔ مگر انگلستان کے لئے ایک خاص حفاظت ([illegible]) کی پالیسی کی ضرورت ہے۔ ستمبر ۱۹۲۱ء کی ہی بات ہے کہ انگریزوں کے ایک وفد نے گورنمنٹ برطانیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی ہے کہ جرمن کے مال سے انگلستان کے بازار بھر گئے ہیں۔ اور جرمن سوداگر اتنا سستا بیچتے ہیں کہ ہماری لاگت بھی اس سے زیادہ آتی ہے۔ فوراً اس کا بندوبست کیا جاوے۔ حفاظتی پالیسی اختیار کی جاوے۔ ورنہ انگریز کاریگر اور سوداگر تباہ ہو جاویں گے۔ یہ فرق ہے۔ جناب انگلستان اور ہندوستان میں۔ دوسروں کے گھر لگی ہوئی آگ کو سب ہی بسنتر دیوتا کہتے ہیں۔ جب اپنے گھر لگتی ہے تو اس دیوتا کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ انگریز حکام اور ان کے چونہ پوش ہندوستانی کھدر کے خلاف پرچار کر رہے ہیں کہ یہ مہنگی چیز ہے۔ لوگ مہنگی کیوں خریدیں۔ ان کی آزادی میں فرق آتا ہے۔ انگریزی مال کے خلاف نفرت پھیلانا جرم ہے۔ خریدار اپنی مرضی سے جو چاہے خریدے۔ مگر انگلستان میں جرمنی کے مال روکنے کا رونا رویا جا رہا ہے۔

(۳) - انگریزی قوم کا فائدہ اس میں ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کا رعب اور خوف قایم رہے تاکہ وہ من مانی کارروائیاں کرکے انگلستانی لوٹ جاری رکھیں۔ اس مطلب کو حاصل کرنے کے لئے جو ذریعے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان کا نام (peace and order) امن امان رکھنے کی پالیسی ہے - یہی پالیسی ہندوستان کی آزادی چاہنے والوں کو باغی کا لقب دیتی ہے - اور بجائے تخت حکومت کے تختہ پھانسی پیش کرتی ہے - یہی پالیسی غدار قوم اور ایمان فروشوں کو وفادار سرکار کہلواتی ہے - اور انعام - جاگیریں - اور عہدے دلواتی ہے - یہی پالیسی ہندو اور مسلمانوں میں نفاق ڈلواتی ہے - یہی پالیسی ہندوستان کے بجٹ کا روپیہ فوجوں پر خرچ کرواتی ہے - اور شہزادہ ویلز کو اس گرانی کے ایام میں یہاں لاتی ہے - اسی پالیسی کی بدولت پولیس اور فوجیں رعایا پر گولیاں چلاتی ہیں۔ خفیف معاملہ پر لیکن باینہمہ قاتل بے قصور اور مقتول قصوروار ٹھہرتے ہیں - قاتلوں کے ضبط اور بہادری کی تعریف کی جاتی ہے - اور انعام ملتے ہیں - مگر مقتولوں کے وارثوں کے ساتھ سرد مہری بلکہ سختی کی جاتی ہے - اسی پالیسی کے طفیل پولیس گورنمنٹ کا مایۂ ناز بنی ہوئی ہے - اس کو وسیع اختیارات حاصل ہیں - اس کے لئے رشوت لینا اور جبر و ظلم کرنا ایسی معمولی باتیں بن گئی ہیں کہ نہ کوئی شکایت کرتا ہے اور نہ کوئی سنتا ہے - اسی پالیسی کے زیر اثر اخبارات کا گلا گھونٹا جاتا ہے - یہی پالیسی عدالتوں کو انتظامیہ افسروں کی ماتحتی میں رکھتی ہے - یہی پالیسی ہندوستانی خزانہ کو انگریزوں کا خزانہ قرار دیتی ہے - ملازمان گورنمنٹ کو اگرچہ کاغذات میں (public servants) رعایا کے خادم کہا جاتا ہے - مگر یہ انگلستان کی نقل ہے - حقیقت یہ ہے کہ یہاں یہ لوگ خادمان انگریز و افسران رعایا ہیں +

(۴) - انگلستان کا فائدہ اس میں ہے کہ ہندوستانی ہمیشہ کمزور اور

ناقابل رہیں۔ اپنی حفاظت کے لیئے انگریزوں کے محتاج رہیں۔ اور اس قاعدہ پر عملدرآمد ہوتا ہے کہ ہندی کمائے۔ اور انگلستانی کھائے۔ اس مطلب کو حاصل کرنے کے واسطے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کا نام رعایا کی بھلائی (good government) یا رعایا کے فائدہ (material government) کی پالیسی ہے۔ یہ پالیسی ہندوستان میں صنعت و حرفت کے کارخانہ یا کالج قایم کرنے سے مانع ہے۔ انگلستان میں گورنمنٹ پر نکتہ چینی کرنا رفاہ عام سمجھا جاتا ہے۔ گورنمنٹ کی غلطیوں کو طشت از بام کر کے اور ایجی ٹیشن پھیلا کر گورنمنٹ کو سیدھا کرنا رعایا کی بھلائی میں داخل ہے۔ مگر ہندوستان میں اس پالیسی کے نام پر نکتہ چینی کرنے والوں اور ایجی ٹیشن پھیلانے والوں کو کالا پانی نصیب ہوتا ہے۔ گورنمنٹ تو سیدھی نہیں ہوتی۔ البتہ نکتہ چینیوں کو سیدھا کیا جاتا ہے۔

اسی پالیسی کی بدولت ہم یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ انگریز ہندوستان سے چلے جاویں گے۔ تو افغانستان چڑھ آوے گا۔ اور ہندو مسلمان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہو جاویں گے۔ اس لئے خواہ کوئی شرط انگریز ہم سے منوائیں۔ ہم مان لیں۔ انگریز خواہ کتنی ہی تنخواہ مانگیں وہ دے دیں۔ غرضیکہ انگریزوں کو ہندوستان میں رکھنے کی خاطر خواہ کچھ ہی قربان کرنا پڑے کر دینا چاہئے۔ اور جب کبھی وہ اپنا حفاظتی ہاتھ کھینچ لینے کی دھمکی دیں۔ ہم نہایت عاجزی سے منالیں۔ یہی پالیسی ہمیں بتلاتی ہے کہ تمام علوم و فنون کی کتابیں انگریزی ہی میں ہیں۔ ہندوستانیوں کی نجات اسی میں ہے کہ انگریزی کو اپنی مادری زبان بنا لینے کی کوشش کریں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے لڑکے اور لڑکیاں تمام عمر انگریزی زبان دانی میں گنوا دیتی ہیں۔ اسی پالیسی کے طفیل ہم قائل ہو گئے ہیں کہ انگریز بڑے لائق اور بڑے ایماندار۔ بڑے مدبر ہوتے ہیں۔ ہندوستانیوں میں قدرتی ناقابلیت ہوتی ہے۔ اس لیئے

ندوستانی کلرک اور محرر بنتے ہیں - اور اعلےٰ عہدے جن کو ہم دودھ ملائی
ملازمت کہتے ہیں - انگریزوں کے حصے میں آتی ہیں - ہندوستانی یا محنت
ہے پچھ کرے - دن رات مرے کھپے - اور انگریز محض دستخط کرے - لیکن
جب تنخواہ کی باری آوے - تو انگریز کو ہزاروں اور ہندوستانی کو ایک بینگڑا
روپیے ملے - ہندوستانی اسی عہدے پر خواہ نصف تنخواہ پر رضامند ہو - مگر
انگریزوں کے بغیر عہدے کی شان ہی نہیں بنتی - پوری تنخواہ - الاؤنس پنشن
وغیرہ سب کچھ دیا جاتا ہے - لاڈلے بچے صبح کے وقت جب منہ نہیں دھلاتے
ہندوستانی مائیں بچے کو پکڑ کر زبردستی اس کا منہ دھوتی جاتی ہیں - اور
ساتھ ساتھ انہیں یہ لوری سنائی جاتی ہے "چھڈی چھڈی کالا کالا کھائے
دودھ ملائی میرا بچہ کھائے" اسی طرح مہربان گورنمنٹ زبردستی انگریز بچوں کو
بڑی تنخواہیں دیتی جاتی ہے - اور زبان حال سے پکارتی جاتی ہے "چھڈی
چھڈی کالا ہندی کھائے - دودھ ملائی انگلستانی گورا کھائے" جب
کوئی اعتراض کرتا ہے - تو کہدیا جاتا ہے کہ انگریزوں کے بغیر
[illegible] (ملازمت کی عہدگی)
نہیں رہتی - اس لیئے ان کا رہنا ضروری ہے - لہذا زیادتی تنخواہ لابدی ہے ؛
الغرض انگلستان اور ہندوستان میں بے شمار پالیسی کام کرتی ہیں -
مقصد سب کا ایک ہے کہ انگریز قوم کا فائدہ ہو - ہندوستان تو بلی کا بکرا ہے -
بالیں ویلے زبان - جیسے مالک خواہ خود کھالے خواہ اپنے کسی دوست کو کھلادے
برطانیہ کا معاہدہ جاپان سے ہو - اور جاپانی مال کی کھپت کے لیئے ہندوستان
کے بازار کھول دیئے جاویں - اور جاپان کروڑوں روپیہ لے جاوے - خیر
رہنا وہ بھگت لیا - جو ہوگا وہ دیکھیں گے ؛

سوراجیہ

آخر دنیا میں برداشت اور بھولے پن کی بھی حد ہوتی ہے - نت کا

تنگ دستی اور ذلالت نے کسان خصلت ہندوستانیوں کو بھی جگایا - اور
وہ سوچنے لگے کہ جب تک حاکم ریلیا یا دونوں پر ان کا اختیار نہ ہو - ان کی
مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا - پاونوں کو قابو کرنے کے لئے کانگریس بکھیڑہ
مچا گیا - مگر اندرونیا بھی بے خبر نہ تھے - بھی اور کونسل کی ممبری کے لالچ
دیکر بھکتوں کی تپسیا شروع میں ہی بھنگ کر دی - ہمارے لیبوا عشر سریندر
ناتھ بنرجی نے ساری عمر تپ میں گذار دی - مگر آخری عمر میں وزارت
روپی نرتکا کو دیکھ کر تپ سے گر گئے - اور دنیا کی مدد بڑھ نہ رہی - جل
روپی جاتا تو گھلے کو دھرم کے نام پر لال مخول بتلائی گئی - لوکمانیہ تلک
کے تپ میں اگرچہ بھنگ نہ پڑا - مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی - جلیانوالہ باغ
میں اوڈائر کے اشارہ پر ڈائر روپی ناگ نے پنجاب کو ڈسا - کانگریس
نے ٹھان لی کہ نوکر شاہی سانپوں کا خاتمہ کر کے چھوڑے گی ۔

باسورتھ جیسے اژدہا اور بیارن - نوکر شاہی جیسے چھوٹے چھوٹے
سانپ تو مار دیے - مگر جو مست ناگ ڈائر اور اوڈوائر انگریزی پٹارہ میں
انگلستان میں محفوظ بیٹھے ہیں - وہ ابھی تک اپنی چالیں سوچ رہے ہیں - اندر کی
اس ڈھٹائی کی سزا کے لئے دھرم تیاگی ہو گئے - رہا گیا تھا - سانس لے رہے تھے
تیاگ رہبر دادا بھائی بچے ہیں - اپنے سانپوں کو زندگی کا لعل - قریب
اور دھوکے سے محفوظ رہنے کے لئے انہوں نے مطالبہ کیا ہے - کہ اس
ملک میں جو نیتا الگ ہو وہ کام کرو - بولو - سو - نا ہنگا کر کے نوکر شاہی
ہو - ان کی نصیحت ہے کہ سادھے سادہ زندگی بسر کرو - جہاں تک ممکن
ہو سکے - اپنی ضروریات کو کم کر دو - تاکہ تمہارے اندر کام (خواہشات)
پیدا ہی نہ ہوں - کرودھ (غصہ) کے خلاف ان کا خاص حکم ہے کہ اپنے
دشمنوں کے خلاف بھی تمہارے دل میں خیال تک پیدا نہ ہو - لوبھ
(لالچ) شروع میں ہی تیاگنا پڑتا ہے - بیم کمانی کی زندگی بجائے پرچار



MAHATMA GANDHI.

کی زندگی لینی پڑتی ہے - موہ (محبت) کا خاتمہ ہو جاتا ہے - جب جیلخانہ کا خوف تاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے - ان چار بیڑیوں کے ناش ہو جانے کے ساتھ ہی اہنکار کی ناش ہو جاتا ہے -

مہاتما گاندھی سنتوں رشیوں کی زندگی اختیار کرتے ہیں - اور اپنے چیلوں کو بھی ویسا بننے کی ہدایت کرتے ہیں - ان کا دعویٰ ہے کہ عدم تعاون سے نتیجے وہ انہیں کا سنگھاسن ہلا دیں گے - اور افسر اپنے سنگھاسن اور تاج کی بھینٹ اٹھتے ہوئے کریں گے - ہندوستانی کسان کی کھیتیوں کا خاتمہ ہو جائے گا - بادل اس کے اختیار میں ہوں گے - جب چاہے گا برسائے گا - جب چاہے گا ان کو روک دے گا - اس حالت کا نام سوراجیہ ہوگا - پولیٹکل الفاظ میں سوراجیہ کی تعریف ہم اس طرح کر سکتے ہیں - ٹیکس لگانے - اور خرچ منظور کرنے کا اختیار جب رعایا کے نمائندوں کے ہاتھ میں ہوگا یا بالفاظ دیگر قومی خزانے پر جب قوم کے نمائندوں کا اختیار ہوگا تو اس حالت کو ہم سوراجیہ کہیں گے - یہ ایک ایسا اختیار ہے - جس میں تمام حکومت آجاتی ہے - عدم تعاون کس طرح سوراجیہ دلائے گا - اس کو مہاتما گاندھی اس طرح بیان کرتے ہیں - کہ ہندوستان ایک بڑا وسیع ملک ہے - جس میں انگریز مٹھی بھر تعداد میں ہیں - یہ مٹھی بھر انگریز ہندوستان پر ہندوستانیوں کی مدد سے حکومت کرتے ہیں - ان کی حکومت کا منشا یہ ہے کہ انگریزی قوم کا فائدہ ہو - انگریزی قوم کو سب سے بڑا فائدہ ہندوستان کی تجارت سے پہنچا ہے - اگر ہندوستانی ایکا کر کے ان کا مال تجارت لینا بند کر دیں - تو ولایت

کے لوگ بلبلا اُٹھیں گے - اور اگر ہندوستانی ایکا کرکے انگریزوں کی مدد کرنا چھوڑ دیں - تو ان کی حکومت ناممکن ہو جاوے گی - دنیا میں جتنے امیر ہیں - وہ غریبوں کا خون چوس کر امیر بنتے ہیں - اور جتنے حکمران ہیں - وہ رعایا کی مدد سے حکمرانی کرتے ہیں - اگر غریب خون چسوانا چھوڑ دیں - اور رعایا خدمت کرنا چھوڑ دے - تو نہ امیری رہ سکتی ہے نہ بادشاہت - عدم تعاون کی کامیابی کی سب سے زبردست شہادت تواریخ یوروپ میں ملتی ہے - ہنری چہارم گیارھویں صدی میں یوروپ میں ایک بڑا بھاری جرمن شہنشاہ ہو گذرا ہے - جو جرمنی - آسٹریا - فرانس - سپین - اور اٹلی پر حکمران تھا - پوپ گریگوری ہفتم سے اس کا بگاڑ ہو گیا - پوپ کو سزا دینے کے لئے ۱۰۷۶ء میں حملہ کیا - جب شہر روما میں داخل ہوا - تو تمام ساتھیوں نے عدم تعاون کر دیا - اور کہا کہ ہم پوپ پہ ہاتھ نہیں اُٹھاویں گے - بادشاہ تن تنہا رہ گئے - نہ خدمت کو نوکر نہ اسباب اُٹھانے کو قلی - نہ روٹی پکانے کو نانبائی - نہ چڑھنے کو گاڑی - سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ رہا - کہ پوپ سے معافی مانگے چنانچہ تین دن - تین رات - ننگے سر - ننگے پیر - ایک کرتہ میں شاہنشاہ سلامت پوپ کی ڈیوڑھی میں معافی مانگتے رہے - چوتھے دن ان کو معافی ملی - فوج نے تعاون کیا - اور شاہنشاہ شاہنشاہ بن گئے - عدم تعاون میں بڑی طاقت ہے - مگر اتفاق شرط ہے - دیوتاؤں کی پوجا چھوڑ دو - اندر دیوتا خود بخود سیدھے ہو جاویں گے ٭

ماڈریٹ صاحبان سوراجیہ تو چاہتے ہیں - مگر عدم تعاون سوراجیہ دلائے گا - اس کے قایل نہیں - ان کا سہارا اور بھروسہ اور ہے -

اور وہ یہ کہ انگریزی قوم اپنے جذبہ انصاف - رحم اور پراوپکار کو کام میں لا کر خود بخود ہندوستان کا بھلا کر دیں گے - ماڈریٹ صاحبان اور ہیچ قسم کے خوش اعتقاد ہندوستانیوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انصاف - رحم - اور پراوپکار نیکیاں ہیں - اور نیکیاں ہمیشہ اعلےٰ پائے کے انسانوں میں ملا کرتی ہیں - جن کی تعداد قوم میں بہت تھوڑی ہوتی ہے - اور انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے - معمولی انسان خود غرض ہوا کرتے ہیں - کسی قوم کی قوم کو منصف اور پراوپکاری سمجھنا یا تصور کرنا انسانی فطرت کا غلط اندازہ کرنا ہے - ایسا ہونا ہی ناممکن ہے - اگر بالفرض کسی وقت ایسا ہو جاوے - تو انصاف - رحم - اور پراوپکار کا نیکیوں میں شمار ہونا بند ہو جاوے گا - اور نہ کوئی ان کی تعریف کرے گا - یاد رہے - انگریزی قوم بھی دیگر قوموں کی طرح خود غرض اور مطلبی انسانوں سے بھری ہوئی ہے - اس میں شک نہیں - کہ انفرادی لحاظ سے بہت سے انگریز خدا ترس - اور پراوپکاری ملیں گے - مگر ہندوستان پر یہ شخص اپنی انفرادی حیثیت سے حکومت نہیں کرتے - بلکہ انگریزی قوم - بحیثیت قوم کے حکومت کرتی ہے - اور کسی قوم میں منصف اور پراوپکاری لوگوں کی کثرت نہیں ہو سکتی - ماڈریٹ صاحبان کا تھا تما گاندھی سے اتفاق ہو یا نہ ہو - مگر وہ ایک بات یاد رکھیں کہ سوراجیہ کبھی مانگے سے نہیں ملا کرتا اور وہ بھی انگلستان کی پارلیمنٹ سے - جو انگلستان کے فائدہ چاہنے والوں کا مجمع ہے - فقیر کو کئی جھڑکیوں کے بعد ایک چپکی آٹے کی ملا کرتی ہے - پوری مزدوری تو کام کرنے والوں کو ملا کرتی ہے گداگری چھوڑو - اور اپنی ہمت پر بھروسہ رکھو - شاعر نے کیا خوب کہا ہے - ؎

حقّا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردیئے ہمسایہ در بہشت

ترجمہ - ہمسایہ کی مدد سے بہشت میں جانا بھی دوزخ کے برابر ہے ۔ فقط

تمّت

مصنف کی زندگی کے مختصر حالات

جیسا کہ اندر دیوتا کے مضامین دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ اسی طرح انکے مصنف لا
موہن لال بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل ہائیکورٹ کے حالات زندگی ناظرین کے
دلچسپ اور نوجوانوں کے لئے سبق آموز ہونگے۔ اور ان کا مطالعہ خالی از فائدہ نہ ہوگا
مجھے انکے کئی سال ایجنٹ رہنے کا فخر حاصل ہے۔ اور میں اپنے ذاتی علم و یقین کی بنا پر ان
حالات بیان کرتا ہوں ؎

لالہ موہن لال کے خاندان کا شجرہ نسب یہ ہے:۔

لالہ اودھوداس

لالہ نند لال | لالہ مکند لال وفات سنہ ۱۹۱۷ء | لالہ رام لال لاولد وفات سنہ ۱۹۱۲ء

لالہ تلوک چند | لالہ کشن سروپ

لالہ موہن لال | لالہ جگناتھ | لالہ مولچند

لالہ اودھوداس ذات کے کایستھ بھٹناگر تھے۔ ان کا اصلی وطن سکندر آباد ضلع
بلند شہر تھا۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں اپنے وطن سے بتلاش روزگار نکلے۔ اور تحصیل مکتسر ضلع
فیروزپور پنجاب میں اطلاع نویس مقرر ہو کر واصلباقی نویس ہو گئے۔ لالہ نند لال و لا
مکند لال عرضی نویس بن گئے۔ اور قصبہ مکتسر میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ لالہ رام لال
مسلمان بنے رہے سہ بھائیوں کا خاندان ابھی تک مشترکہ ہے۔ آپس میں نہایت پر

اور یہ ہے - لالہ موہن لال کا جنم ۱۸۷۶ء میں بمقام کسنسر ہوا - ۱۸۹۳ء میں امتحان انٹرنس پاس کیا - ۱۸۹۴ء میں امید وار ایلہمد ضلع بھرتی ہوئے - مگر چونکہ قدرتی میلان ڈاکٹری کی طرف تھا مگر خاندان کے بزرگ اس کے خلاف تھے - اس لئے ۱۸۹۵ء میں بلا اطلاع ان کے میڈیکل سکول لاہور میں داخل ہوگئے - وہاں کچھ عرصہ تعلیم پائی - مگر والدین کے اصرار اور مخالفت نے وہ لائن چھڑوا دی - ۱۸۹۶ء میں عرضی نویسی کا امتحان دے دیا - اور عرضی نویسی شروع کر دی - اس پیشہ میں ان کی اوسط آمدنی سو روپیہ ماہوار سے زیادہ تھی - ۱۸۹۹ء میں ایف اے کا امتحان پرائیویٹ پاس کیا - اور ڈی - اے وی سکول ہنسر نے جو ڈانواں ڈول حالت میں تھا - آپ کی خدمات کا مطالبہ کیا - چنانچہ سکول کی ہیڈ ماسٹری سنبھال لی - سکول نہایت غریب حالت میں تھا - اس لئے ۶ سال تک پندرہ روپیہ ماہوار اور ساتویں سال بیس روپیہ ماہوار تنخواہ سکول سے لیتے رہے - سکول میں نہ صرف پڑھاتے تھے - بلکہ اس کے لئے فنڈ بھی اکٹھا کرتے تھے - گذارہ کی صورت یہ تھی کہ سال میں ۴ ماہ عرضی نویسی کرتے اور ۸ ماہ سکول کی ہیڈ ماسٹری - ۱۹۰۶ء میں یو پی کی پلیڈرشپ کا امتحان پرائیویٹ پاس کیا - مگر خاندان کو ان کی جدائی گوارا نہیں تھی - اس لئے لا کالج لاہور میں داخل ہوگئے - چونکہ عہد یہ کیا ہوا تھا کہ کسی سے مالی امداد نہیں لینی - اس لئے ڈی اے وی سکول میں ٹیچر ہو گئے - اور مختاری کا امتحان ۱۹۰۷ء میں پاس کر کے مختار کاری شروع کر دی - جس روز مختار کاری شروع کی - اُن کی جیب میں صرف ۳ کے پیسے تھے - مگر پہلے ہی مہینے میں دو سو پچاس روپے آمدنی ہوئی - اور اس میں آہستہ آہستہ ترقی ہوتی گئی - اور جلدی ہی تحصیل بار کے لیڈر اور سینیئر ممبر بن گئے - سکول کی مینیجری کرتے رہے - اور سکول فنڈ میں بڑا حصہ اُن کے دان کا ہے - اگست ۱۹۱۰ء میں افواہ سنتے ہی بی - اے کے امتحان کی پرائیویٹ تیاری شروع کر دی - اور ۱۰ ماہ کے عرصہ

میں بی۔ اے کا امتحان دیکر گریجویٹ ہو گئے۔ اور اگست سنہ ۱۹۱۱ء میں ایل ایل بی
کلاس میں داخل ہو کر جون سنہ ۱۹۱۲ء میں ایل ایل بی ہو گئے۔ تحصیل بار میں انکی
قانونی قابلیت اور لیاقت مسلمہ تھی۔ فروری سنہ ۱۹۱۹ء میں اپنا کاروبار وکالت ضلع
کو منتقل کر لیا۔ اور فیروز پور میں آکر وکیل ہائی کورٹ بن گئے۔ باوجود وکالت کے
کاروبار کو سخت مصروفیت کے انہوں نے ایکٹ معاملہ زمین پنجاب اور ایکٹ مزارعان
پنجاب پر commentaries (تشریحات) لکھیں۔ جن کو چیف ہائی کورٹ
لاہور اور فنانشل کمشنر صاحبان پنجاب نے منظور فرما کر عدالت ہائے پنجاب کے لئے
مستند قرار دیا ہے۔ اور پنجاب یونیورسٹی نے ان کتابوں کو ایل ایل بی کلاس کا کورس
مقرر کیا ہوا ہے۔ آمدنی وکالت کی مبلغ سات سو روپیہ ماہوار تک پہنچ چکی تھی۔
اور آئندہ بڑھنے کی امید تھی۔ کہ کانگریس نے قومی سیوا کا مطالبہ کیا۔ پہلے آپ نے
اخبار بندے ماترم میں آرٹیکل لکھنے شروع کئے۔ جن کو عام طور پر پسند کیا گیا۔ دیوتا
اندر کا مضمون خاص طور پر مقبول عام ہوا۔ ۲۹۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء کو مسٹر سٹوکس نے
فیروز پور میں وکیلوں کو بلا کر ترک وکالت کے واسطے اپیل کی۔ لالہ موہن لال وہاں تو
کچھ نہ بولے۔ مگر ۳۰۔ اکتوبر کو دیوالی کے روز اپنی دھرم پتنی کی رضامندی لیکر وکالت
ترک کر دی۔ اور قومی تعلیم کی سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی آنریری خدمات
کانگریس کو پیش کر دی ہیں۔ ان کے بھائی لالہ جگن ناتھ اور لالہ مول چند بی۔ اے
ایل۔ ایل۔ بی۔ وکالت کرتے ہیں۔ لالہ تلوک چند کارخانہ کے منیجر اور لالہ کشن سروپ
محکمہ چونگی میں ملازم ہیں۔ مکتسر میں ایک کارخانہ اور جائیداد سکنی ہے۔ لالہ موہن لال
عقیدے سے آریہ سماجی اور عادات میں سادہ ہیں۔ آپ کا خاندان اور دھرم پتنی آپکے
دھرم کے کاموں کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کی زندگی کی کامیابی کا راز اس
بات میں ہے کہ آپ ہمیشہ ۴ بجے صبح اٹھتے ہیں۔ اور سورج نکلنے سے پہلے جو خاص

کام کرنا ہو کر لیتے ہیں - دن بھر اپنا روزمرہ کا کاروبار کرتے ہیں - چنانچہ امتحانات کی تیاری صبح کے گھنٹوں میں کی - کتابیں اور آرٹیکل اسی وقت میں لکھے ہیں - ان کی زندگی کا خلاصہ یہ ہے (۱) - محض اپنی محنت اور کمائی سے عرضی نویسی سے وکیل ہائی کورٹ بن گئے - (۲) - کمائی کرتے ہوئے - اور اپنے کنبے کو پالتے ہوئے انہوں نے آئندہ ترقی کے لئے وقت نکال لیا - (۳) - جب کبھی قومی سیوا کا مطالبہ ہوا دولت پر لات مارنے میں دریغ نہیں کیا - جو نوجوان ان کے نقش قدم پر چلیں گے ضرور کامیاب زندگی میں ہونگے - چنانچہ میں نے یکم اپریل ۱۹۲۱ء سے ایجنسی چھوڑ کر پرچارک کا کام تیار کر لیا ہے - یہ اُن کی سنگت کا پھل ہے ٭

سند رداس آنریری
پرچارک کانگریس

مصنف کی دیگر کتب جو ابھی زیر طبع ہیں:-

قحط اور دیوتا اندر مع دُکھ نوارن	قیمت ۸/
موجودہ طریقۂ تعلیم کے پھل	" ۶/
قومی تعلیم کی سکیم	" ۴/
دولتمند بننے کی ترکیب	" ۴/
پنچایت سسٹم	" ۴/
ہندو زندگی کا راز	" ۴/
ہندوؤں کا ذات سسٹم	" ۴/

{صرف سرورق کپور آرٹ پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپا}

مصنف کی دیگر کتب جو ابھی زیر طبع ہیں:-

قحط اور دیوتا اندر مع دُکھ نوارن	قیمت ۸/
موجودہ طریقۂ تعلیم کے پھل	" ۶/
قومی تعلیم کی سکیم	" ۴/
دولتمند بننے کی ترکیب	" ۴/
پنچایت سسٹم	" ۴/
ہندو زندگی کا راز	" ۴/
ہندوؤں کا ذات سسٹم	" ۴/

{صرف سرورق کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپا}